علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق شوق

کراچی

ذوالقعدة
جون 2022

پیارے پیارے بچوں کے لیے بیت العلم کی نئی کتابیں

والدین و سرپرست حضرات سے گزارش

بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے.... کہانیاں سننے سے ان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں.... بچوں کی کتابوں سے دوستی ہو جاتی ہے اور آداب سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کتاب دوست بنانے کے لیے یہ کتابیں ضرور پڑھ کر سنائیں، کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں بچوں کی مدد بھی کریں۔

maktababaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورۂ اعراف:۱۶)

''میں قسم کھاتا ہوں کہ تیرے سیدھے راستے پر ان انسانوں کی تاک میں بیٹھوں گا۔''

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ نے یہ شیطان کا جملہ نقل فرمایا ہے، جو اُس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت ملنے پر کہا تھا۔

جس طرح ڈاکو راستے میں لوگوں کی قیمتی چیزوں کو لوٹتے ہیں اسی طرح شیطان نے بھی قسم کھائی تھی کہ میں اِن انسانوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالوں گا، صراطِ مستقیم پر بیٹھ کر انھیں گمراہ کروں گا اور انھیں سیدھے راستے سے بھٹکاؤں گا۔

عزیز دوستو! اب ہمارا شیطان کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیں اچھے کاموں سے روکے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُبھارے، نماز کے وقت کھیل میں لگائے، ابو امی کی بات نہ ماننے دے، پڑھائی میں دل نہ لگنے دے، لیکن ہمیں اسے شکست دینی ہے، اُس کی بات نہیں ماننی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی خبردار کر دیا ہے کہ شیطان تمھارا دُشمن ہے، اسے اپنا دُشمن ہی سمجھنا۔ قرآنِ کریم میں کم و بیش گیارہ مقامات پر شیطان کو دشمن بتایا گیا ہے۔

شیطان کے ساتھ ہمارا یہ مقابلہ آخر تک جاری رہے گا، ہم نے اُسے ہرا دیا تو ہم سرخ رُو اور کام یاب ہوں گے اور دائمی خوشیاں اور نعمتیں ہمارا مقدر ہوں گی، ان شاء اللہ! لہٰذا آئیے نیت کریں:

☆ شیطان کے کسی وسوسے پر ہم کان نہیں دھریں گے، کیوں کہ دُشمن کی بات پر عمل کرنے والا عقل مند نہیں ہوتا۔

☆ روزانہ نبی کریم ﷺ کے سکھلائے گئے یہ کلمات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، کو صبح و شام دس مرتبہ پابندی سے پڑھیں گے، جس پر ہمیں پانچ انعامات ملیں گے:

۱۔ ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب، ۲۔ دس نیکیاں، ۳۔ دس گناہ معاف، ۴۔ دس درجات بلند، ۵۔ شیطان سے حفاظت۔

(مفہوم حدیث سنن ابوداود، 5077)

پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جسم کے درد کا بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جہاں درد ہوتا ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:

اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

چناں چہ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے جب یہ کلمات کہے تو اُن کا درد ختم ہو گیا۔

پھر وہ صحابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں اور دوسرے ضرورت مندوں کو ہمیشہ ان کلمات کی تلقین کرتے تھے۔

(مسلم، ۷، ۵۷۳)

عزیز ساتھیو! انسان پر دنیا میں مختلف حالات آتے ہیں۔ کبھی خوشی ہوتی ہے تو کبھی غمی۔ کبھی صحت ہوتی ہے تو کبھی بیماری آتی ہے۔ مال داری ہے تو غربت بھی ہے۔ کام یابی ہے تو ناکامی بھی ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں ہر حالت کے اعمال بتائے ہیں کہ خوشی میں کیا کرنا ہے، غمی میں کیا کرنا ہے، صحت میں کیا کرنا ہے اور کبھی تکلیف، دکھ یا درد پہنچے تو کیا کرنا ہے۔

آپ ﷺ کے مبارک طریقوں اور آپ ﷺ کے بیان کردہ اعمال میں ہماری لیے دنیا اور آخرت کی کام یابی ہے۔

لہٰذا جب بھی ہمارے سر میں یا جسم میں درد ہو تو یہ عمل دل کے یقین کے ساتھ کریں، اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے ہمیں شفا نصیب فرمائیں گے۔

اس مبارک دعا کا ترجمہ ہے:

''میں، اللہ تعالیٰ اور اُس کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں ہر اُس تکلیف سے جو مجھے پہنچی ہے اور جس تکلیف سے میں ڈرتا ہوں۔''

عزیز ساتھیو! ہم خود بھی یہ عمل کریں اور دوسروں کو بھی بتائیں۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہنامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ذو القعدۃ ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 17

شمارہ: 06

ناشر ~~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

- مدیر اعزازی ~~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~~ محمد طلحہ شاہین
- معاون ~~~~ زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر ~~~~ سید ناصر

کمپوزر ~~~~ سعد علی

نگران ترسیل ~~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 80

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1100/=

بذریعہ عام ڈاک 850/=

ماہنامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ ذوق و شوق، پی۔ او بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00

دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash : 0320-1292426

(نوٹ: جازکیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کریں۔)

جھلکیاں

04 سیرت کہانی — عبدالعزیز

06 بلا عنوان (۱۷۸) — انعم توصیف

08 کارِ خیر — طیبہ زاہد

09 ذوقِ معلومات (۷۷) (کھیل) — ابوغازی محمد

10 درویش گورنر — حافظ محمد معاویہ آصف

13 دعوت (نظم) — تنیم شریف

14 آلو پراٹھا — سلمان یوسف سمیجہ

16 بول میری مچھلی! — فرہاج صلاح الدین

19 سوال آدھا، جواب آدھا (۳۳) (کھیل) — الطاف حسین

20 جنت کی روش — قرۃ العین خرم ہاشمی

22 شارٹ کٹ — ام نسیبہ

25 اپنے ہاتھ سے — علی اکمل معروف

27 دوستی — شاہ رخ گل

28 رہو بچو! ہر آن پب جی سے دور (نظم) — ارسلان اللہ خان

33 کالو اور بھورو — حسن آرا

36 انوکھا بھیڑیا — سائرہ شاہد

38 میرے حکم کی تعمیل کرو (فاتح کون ۱۱) — نذیر انبالوی

41 قرطبہ — دانیال حسن چغتائی

45 ننھی چڑیا — روبینہ عبدالقدیر

51 سیر کو جائیں (نظم) — ایوب اختر

52 بس اتنا سا خواب ہے — بیگم ناجیہ شعیب احمد

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کردیں۔)

پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور خوش ہوں گے۔

کیا کہا: ’’جی ہاں ں ں......!‘‘

ارے بھئی، کس بات پر اتنے جوش سے جی ہاں کہا، ہم سمجھے نہیں۔ عید گزرے تو مہینے سے اوپر ہو گیا ہے اور ماشاء اللہ! آپ نے عید پر خوب خوشیاں منائی ہوں گی اور خوب مزے کیے ہوں گے، لیکن آپ کے ’’جی ہاں ں ں‘‘ کے جوش کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اوہ اچھا! اب ہم سمجھے، آپ کے اس جوش کی وجہ ہے: ’’گرمیوں کی چھٹیاں!‘‘

یقیناً آپ ان چھٹیوں کی وجہ سے بہت خوش ہوں گے۔ آپ کو خوش بھی ہونا چاہیے اور اپنی ان چھٹیوں کو جائز تفریحی سرگرمیوں، عزیز و اقارب سے ملنے جلنے اور مختلف اچھے کاموں میں گزارنا بھی چاہیے۔ چلیے، لگے ہاتھ ہم آپ کو ایک بہت کام کی بات بتاتے ہیں، جس پر عمل کر کے یقیناً آپ کی چھٹیوں کا مزہ بھی دوبالا ہو جائے گا اور چھٹیاں ختم ہونے پر آپ کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے: ’’ہمارے رب کے ہاں سب سے پسندیدہ کام وہ ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

جی ہاں بچو! پابندی بڑی عظیم خوبی ہے، یہ چھوٹے سے عمل کو بھی بہت مقبول بنا دیتی ہے۔

ہم سب کو رمضان المبارک میں روزے رکھنے، قرآن کی تلاوت کرنے اور مختلف عبادات کرنے کی توفیق ملی، اب کامیابی یہ ہے کہ یہ برکت والے قیمتی اعمال ہم سے چھوٹ نہ جائیں۔ اسی طرح جو ہمارے روزمرہ کے کام ہیں اور تعلیمی مصروفیات، خصوصاً چھٹیوں کا ہوم ورک وغیرہ، ان سب کاموں کا ایک پیشگی نظام بنا لیں اور اُس کے مطابق اپنے کاموں کو پابندی سے انجام دیں اور ناغہ بالکل نہ کریں۔

بل کہ مستقل طور پر اپنا یومیہ نظم بنا لیں اور پھر اُس پر پابندی سے عمل کریں تو ان شاء اللہ! ہمارے وقت میں خوب برکت ہوگی اور مزہ بھی دوبالا ہوگا۔

تو کیا خیال ہے؟ تیار ہیں نا آپ اس ’’کام کی بات‘‘ پر عمل کرنے کے لیے!؟

کیا کہا: ’’ان شاء اللہ!‘‘

بھئی، بہت خوب! چلیے، اب اجازت دیجیے۔

سیرت کہانی ۳۷

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

غزوۂ بدر اسلام کا سب سے بڑا غزوہ ہے، اس لیے کہ اسلام کی عزت کی اور کفر وشرک کی ذلت کی ابتدا اسی غزوے سے ہوئی۔

اس دن کو قرآن کریم میں یوم الفرقان، یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا دن فرمایا گیا ہے۔ یہ غزوہ ۱۷ رمضان المبارک، سن ۲ ہجری میں پیش آیا۔

ہوا یہ کہ رمضان کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے تجارتی قافلے کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے جو مال واَسباب سے بھرا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا:

"یہ قریش کا قافلہ جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے، تم اس قافلے کی طرف نکلو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرما دے۔"

اس قافلے میں ایک ہزار اونٹ تھے، جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ساز وسامان لدا ہوا تھا۔

چوں کہ آپ ﷺ نے سب کے لیے اس قافلے کی طرف روانگی کو لازمی قرار نہیں دیا تھا اور جنگ کی بھی توقع نہیں تھی، اس لیے ایک تو مسلمان بغیر کسی جنگی تیاری کے نکل کھڑے ہوئے۔ دوسرے بہت سے مسلمان تو نکلے ہی نہیں، بل کہ مدینے ہی میں رہے، اسی لیے اس غزوے میں شریک نہ ہونے والوں سے حضور ﷺ نے کوئی باز پرس بھی نہیں فرمائی۔

حضور ﷺ جب روانگی کے لیے تیار ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ تین سو سے کچھ اوپر افراد تھے۔ جن میں سے ۸۲ یا ۸۳ یا پھر ۸۶ مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔ انصار میں بھی قبیلہ اوس کے ۶۱ اور قبیلہ خزرج کے ۱۷۰ لوگ تھے۔

پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے، ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا حضرت مقداد بن ابی اسود کندی رضی اللہ عنہ کا۔ ۷۰ اونٹ تھے، جن میں سے ہر ایک پر دو دو یا تین تین آدمی باری باری سوار ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی ایک ہی اونٹ آیا، جس پر یہ حضرات بھی باری باری سوار ہو رہے تھے۔

مدینے کا انتظام اور نماز کی امامت پہلے پہل حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی، لیکن حضور ﷺ جب مقام روحاء تک پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینے کا منتظم بنا کر واپس بھیج دیا۔

ابوسفیان کو پہلے سے ڈر لگا ہوا تھا، اس لیے جب وہ حجاز کے قریب پہنچا تو ہر مسافر سے آپ ﷺ کے حالات اور خبریں پوچھتا، یہاں تک کہ بعض مسافروں سے اسے یہ خبر ملی کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو تمھارے قافلے کی طرف نکلنے کا حکم دیا ہے۔

ابوسفیان نے یہ سنتے ہی ضمضم غفاری کو اُجرت دے کر یہ پیغام دے کر مکہ روانہ کیا کہ قریش کو اِطلاع کر دے کہ جس قدر جلد ہو سکے اپنے تجارتی قافلے کی خبر لیں اور اپنے سرمائے کو بچانے کی کوشش کریں۔

(البدایہ والنہایہ، ج: ۳، ص: ۲۵۶)

مسلمانوں کا لشکر ۱۲ رمضان المبارک کو مدینے سے روانہ ہوا۔ بئر ابی عنبہ پر پہنچ کر حضور ﷺ نے پورے لشکر کا معاینہ فرمایا۔ جو کم عمر تھے انھیں واپس فرما دیا۔

جب مقام صفرا کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جہنی اور عدی بن ابی الزغباء جہنی کو ابوسفیان کے ایک قافلے کی خبر لانے کے لیے آگے روانہ فرمایا۔

ادھر ضمضم غفاری، ابوسفیان کا پیغام لے کر مکے پہنچا کہ تمھارا قافلہ

خطرے میں ہے،
دوڑو اور جلد از جلد اُس کی
خبرلو۔ اس خبر کا مکے میں پہنچنا تھا کہ پورے مکے میں ہلچل مچ گئی، اس لیے کہ قریش میں سے کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جس نے اپنی پونجی اور سرمایہ اس قافلے میں نہ لگا دیا ہو، اس لیے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکے میں جوش پھیل گیا اور ایک ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابوجہل لشکر کا سردار تھا۔

قریش گانے بجانے والی عورتوں، طبلوں، طبلچیوں کو ساتھ لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے روانہ ہوئے۔

قریش کے تمام سردار لشکر میں موجود تھے، سوائے ابولہب کے کہ اس کا ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام پر چار ہزار درہم قرض تھا، لہٰذا ابولہب نے اپنی جگہ عاص بن ہشام کو لشکر میں روانہ کیا۔

اسی طرح امیہ بن خلف نے بھی بدر کے لشکر میں جانے سے پہلے پہل انکار کیا، لیکن ابوجہل کے اصرار کی وجہ سے ساتھ ہولیا۔ اس کے انکار کا اصل سبب یہ تھا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے۔ امیہ جب تجارت کے لیے ملک شام جاتا تو راستے میں مدینے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس رکتا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب مکہ جاتے تو اُمیہ کے پاس ٹھہرتے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے نکلے اور اُمیہ کے پاس ٹھہرے اور اُمیہ سے کہا کہ طواف کرنے کے لیے مجھے ایسے وقت لے چلو جب حرم میں لوگوں کا ہجوم نہ ہو۔ امیہ دوپہر کے وقت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلا۔ وہ طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سامنے سے آ گیا اور کہنے لگا:

''اے ابوصفوان! (یہ امیہ کی کنیت ہے) تمھارے ساتھ یہ کون شخص ہے؟''

امیہ نے کہا:

''سعد ہے۔''

ابوجہل نے کہا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ شخص اطمینان سے عمرہ کر رہا ہے۔ تم ان بے دین لوگوں کو ٹھکانا دیتے ہو اور ان کی مدد کرتے ہو۔ اے سعد! خدا کی قسم! اگر اُمیہ تمھارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح سالم واپس نہیں جا سکتے تھے۔''

سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا:

''اگر تُو مجھے طواف سے روکے گا تو اللہ کی قسم! مدینے سے تیرا شام جانے کا راستہ بند کر دوں گا۔''

امیہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ابوجہل پر اپنی آواز بلند نہ کرو، یہ اس وادی کا سردار ہے۔''

سعد رضی اللہ عنہ نے غصے سے کہا:

''امیہ! بس رہنے دے، خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تُو حضور کے صحابہ کے ہاتھوں قتل ہوگا۔''

امیہ نے کہا:

''کیا میں مکے میں مارا جاؤں گا؟''

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ مجھے معلوم نہیں کہ تُو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔''

یہ سن کر اُمیہ بہت ڈر گیا اور جا کر اپنی بیوی سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ امیہ نے یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی غلط نہیں کہتے۔

(فتح الباری، ج:۷، ص:۲۲۰)

امیہ پر اس درجے خوف غالب ہوا کہ اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ کبھی مکے سے باہر نہیں نکلے گا۔

لہٰذا جب ابوجہل نے لوگوں سے بدر کی طرف نکلنے کو کہا تو اُمیہ کو مکے سے نکلنا بہت دشوار لگا، اسے اپنی جان کا ڈر جو تھا۔

باقی صفحہ نمبر 32 پر

بلاعنوان ۱۷۸

انعم توصیف۔ کراچی

’’ہماری دکان اتنی زیادہ چلے گی کہ بھالو میاں کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔‘‘ بنٹو بندر دانت نکال کر ہنستے ہوئے اپنے ملازم راجو چوہے سے کہنے لگا۔

’’استاد! بھالو میاں کی شکل دیکھنے والی ہوگی جب انھیں ہماری دکان کے بارے میں پتا چلے گا۔‘‘ راجو چوہے نے بھی بات کو بڑھایا۔

جنگل میں تمام جانور بہت محبت و اتفاق سے رہتے تھے۔ گومی بھالو کی دکان پورے جنگل کی واحد دکان تھی جہاں سے تمام جانور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے تھے۔ نئے دور کے حساب سے اب جانوروں کا رہن سہن بھی بدل چکا تھا۔ کسی کو شکار کرنے کے بعد اُس پر مسالا لگا کر کھانا ہوتا، کسی کو اپنے بالوں کو چمک دار رکھنے کے لیے شیمپو کی ضرورت ہوتی تو کسی کو جنگل میں انسانوں کے درخت کاٹنے کی وجہ سے سائے کے لیے چھتری کی ضرورت ہوتی، غرض بہت سی چیزیں گومی بھالو کی دکان پر دست یاب تھیں۔ وہ ہر ہفتے شہر جاتا اور سامان لے کر آتا۔

بنٹو بندر اور راجو چوہا حال ہی میں شہر سے جنگل آئے تھے۔ انھیں جنگل میں موجود جانوروں کی محبت دیکھ کر اکثر حیرانی ہوتی تھی۔ وہ دن بھر اِدھر سے اُدھر پھرتے رہتے تھے۔ جنگل میں موجود گومی بھالو کی دکان کو دیکھ کر اُن دونوں نے دکان کھول کر پیسے کمانے کے سہانے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔

بنٹو، اور راجو، جو ہفتے بھر سے اپنی دکان کو ترتیب دینے میں مصروف تھے، آج انھوں نے اپنی دکان کا افتتاح کر ہی دیا تھا۔

’’تم لوگوں کی دکان بہت اچھی ہے۔ مبارک ہو تم دونوں کو!‘‘ صبح صبح گومی بھالو اپنی دکان کھولنے کے لیے آیا تو اپنی دکان کے سامنے ان دونوں کی دکان کو دیکھ کر خوشی سے کہنے لگا۔

’’لگتا ہے استاد! گومی کے دماغ پر اثر ہو گیا ہے۔‘‘

گومی بھالو کا خوشی سے بھرپور انداز دیکھ کر راجو نے بنٹو کے کان میں سرگوشی کی۔

’’خیر مبارک! بس آپ کی دعائیں چاہییں۔‘‘ بنٹو نے راجو کی سرگوشی نظرانداز کرتے ہوئے گومی بھالو کو جواب دیا۔

دکان کا آج پہلا دن تھا۔ جانور جوق در جوق نئی دکان دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ کچھ خریداری کر رہے تھے تو کچھ بس دیکھنے پر گزارا کر رہے تھے۔

بنٹو اور راجو کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اپنی دکان پر گاہکوں کا رش دیکھنے سے زیادہ خوشی ان دونوں کو گومی بھالو کی خالی دکان کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ گومی بے چارہ اداسی سے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

لیکن اسے یقین تھا کہ اس کی قسمت میں لکھا رزق کوئی نہیں چھین سکتا۔ اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور دکان بند کر کے گھر کی جانب چل پڑا۔

......☆......

’’یہ دیکھو! یہ میں کل تمھاری دکان سے پنیر لے کر گیا تھا۔ اس میں پھپھوند لگی ہوئی ہے۔‘‘ ایک سفید رنگ کا بوڑھا چوہا اگلے دن ایک پیکٹ میں موجود پنیر بنٹو کو دکھا رہا تھا۔

’’یہ...... یہ دیکھو، یہ اخروٹ کا حلوہ۔ یہ میں کل لے کر گئی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ یہ اصلی گھی میں تیار کیا گیا ہے۔ جب سے میں نے اپنے بچوں کو کھلایا ہے تب سے ان کے پیٹ میں شدید درد ہے۔ ان کی اُلٹیاں ہی نہیں رک رہیں۔‘‘ کٹو گلہری غصے سے کھڑی چیخ رہی تھی۔

ایک کے بعد ایک جانور آ کر بنٹو اور راجو کی دکان سے خریدا ہوا سامان انھیں واپس دے کر جا رہا تھا اور باتیں سنا رہا تھا۔ دکان کو بھرنے کے چکر میں ان دونوں نے شہر سے غیر معیاری اشیا کا ڈھیر لگا دیا تھا اور اب انھیں بکی اٹھانی پڑ رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سارے جانور اُنھیں باتیں سنا کر گومی بھالو کی دکان کا رُخ کر رہے تھے۔ گومی بھالو کا آج کا پورا دِن بہت مصروف گزرا تھا۔ رات کو دکان بند کرتے ہوئے اس کی نگاہ اداس بیٹھے بنٹو اور راجو پر پڑی تو اپنی نرم دل طبیعت کی وجہ سے وہ ان کی یہ حالت دیکھ نہ سکا اور اُن دونوں کے پاس جا پہنچا۔

’’تم دونوں اداس مت ہو میرے دوستو!‘‘ گومی نے پیار سے کہا۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ’’بلاعنوان‘‘ کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **30 جون 2022** ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

''دوست!؟ ہم تمھارے دوست نہیں۔ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارا کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ تمھارے تو مزے آگئے۔'' بنٹو نے آگ بگولا ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں، میں کیوں خوش ہوں گا؟ تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا سمجھ رہے ہیں۔'' راجو نے بھی غصے سے جواب دیا۔

''بُرا نہ مانو تو میں کچھ کہوں؟'' قریب ہی درخت پر موجود چچا اُلو نے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' وہ تینوں ہم آواز ہو کر بولے۔ چچا کی عمر اور تجربے کی وجہ سے سب ہی ان کی عزت کرتے تھے۔

''تم تینوں ہی مجھے پیارے ہو۔ میں کئی دن سے یہ سب دیکھ رہا ہوں۔ اور سچ بتاؤں تو بنٹو اور راجو، تمھاری باتیں بھی سن رہا ہوں۔'' چچا اُلو کا اتنا کہنا تھا کہ بنٹو اور راجو کے سر شرم سے جھک گئے۔

''رزق اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ کوئی کسی کا رزق نہیں چھین سکتا۔ گومی کی نیت ہمیشہ جنگل میں موجود ہمارے ساتھیوں کی بھلائی کی رہی ہے۔ وہ ہمیشہ اعلیٰ اور معیاری سامان لا کر مناسب دام پر بیچتا ہے۔ کبھی کسی جانور کے پاس پیسے نہ ہوں تو خاموشی سے بغیر پیسوں کے بھی اسے سامان دے دیتا ہے۔ اس نے کبھی بھی ضرورت سے زیادہ نفع نہیں کمایا۔''

''چچا! آپ میری تعریف کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' گومی نے عاجزی سے کہا۔

''بنٹو اور راجو! دکان بنانے میں تم دونوں نے بہت محنت کی، لیکن تم دونوں کی نیت صرف پیسا کمانے کی تھی۔ تم لوگوں نے غیر معیاری سامان خریدتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ اس سے کسی جانور کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ کٹو گلہری کے معصوم بچوں کا حال میں دیکھ کر آیا ہوں۔ وہ تینوں ہی ہسپتال میں ہیں۔ اگر اُن کی جگہ تمھارا کوئی اپنا ہوتا تو......؟'' الو چچا کی آواز میں اب واضح غصہ تھا۔

بنٹو اور راجو شرمندگی کی وجہ سے کچھ کہہ نہ پائے۔

''چچا! آئندہ یہ دونوں ایسا نہیں کریں گے۔ ہیں نا دوستو!'' گومی نے ماحول کی سختی کم کرنے کے لیے خوش گوار انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں ہاں، ہم اب کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں معاف کر دیں، بل کہ ہم اپنی دکان ختم کر کے گومی بھالو کی دکان پر ملازمت کر لیں گے، تا کہ ہمیں سیکھنے کا موقع ملے۔'' بنٹو نے ہلکی آواز میں کہا۔

''شاباش! یہ ہوئی نا بات! میرے بچو! اس دنیا میں ہر جگہ نفرتیں ہی پھیلی ہوئی ہیں۔ تم دونوں انسانوں کی بستی سے ہی یہ سب سیکھ کر آئے تھے تب ہی تم دونوں نے یہ سب کیا۔ انسانوں کے درمیان تو محبتیں ختم ہو چکی ہیں، لیکن ہمارے درمیان اب بھی محبتیں باقی ہیں۔'' چچا اُلو نے افسردگی سے خلا میں گھورتے ہوئے آخری جملہ کہا۔

''گومی استاد! پھر کل سے ہم کس وقت آئیں کام پر؟'' راجو نے بنٹو کے بجائے گومی کو اُستاد کہا تو سب اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

کارِ خیر

طیبہ زاہد۔ جڑانوالہ

''السلام علیکم مس!''

مس تابندہ کمرۂ جماعت میں داخل ہوئیں تو جماعت ہشتم کی طالبات نے کھڑے ہوکر ایک ساتھ سلام کیا، جس پر مس تابندہ نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور حاضری رجسٹر میں حاضری لگائی۔

مس تابندہ طالبات کی پسندیدہ استانی تھیں۔ اگرچہ وہ پڑھائی اور اُصولوں کے معاملے میں بہت سخت تھیں، مگر دل کی بہت نرم، شفیق اور حساس تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ طالبات انھیں بہت پسند کرتی تھیں اور اپنے ہر معاملے اور مسئلے میں ان سے راہ نمائی لینا نہ بھولتی تھیں۔

''بچیو! آج ربیعہ کیوں نہیں آئی؟'' مس تابندہ نے سوال کیا۔

''مس! اس نے بیماری کی درخواست بھیجی ہے، مگر کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔ پتا نہیں کیوں نہیں آئی؟''

فائزہ نے مس کو درخواست دیتے ہوئے قدرے فکر مندی سے کہا۔

مس تابندہ نے درخواست پر دستخط کیے اور پڑھانے میں مصروف ہوگئیں۔

اگلے دن جب حاضری کے لیے ربیعہ کا نام پکارا گیا تو وہ کمرۂ جماعت میں موجود تھی، مگر بہت ڈری ہوئی تھی، کیوں کہ اسے رضیہ نے پچھلے دن مس اور فائزہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا۔

''ربیعہ! آپ نے کل چھٹی کیوں کی تھی؟ گھر میں سب خیریت تھی نا!؟ مس تابندہ نے پوچھا۔

''جی مس! بس میرے سر میں درد تھا، اس لیے نہیں آسکی۔'' ربیعہ نے جواب دیا۔

ربیعہ کے مختصر جواب پر مس تابندہ بھانپ گئیں کہ کوئی اور بات ہے جو ربیعہ بتاتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔

آدھی چھٹی کے وقت مس تابندہ نے ربیعہ کو اپنے پاس بلا کر وجہ جاننا چاہی تو ربیعہ نے بلا جھجک مس تابندہ کو سب کچھ بتا دیا کہ میرے ابو بیمار ہیں، وہ اب کام نہیں کر سکتے، اور امی جان کپڑے سلائی کر کے بڑی مشکل سے گھر کے اخراجات پورے کر رہی ہیں۔ بس اسی لیے میں تین ماہ کی فیس نہیں دے پائی۔ اب پرنسپل صاحبہ کی طرف سے مجھے نوٹس جاری کیا گیا ہے کہ اسکول چھوڑ دو یا فیس جمع کراؤ۔

یہ سن کر مس تابندہ نے ربیعہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے حوصلہ دیا کہ دیکھو ربیعہ! آپ ایک محنتی، صاف دل اور ذہین طالبہ ہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں، ان شاء اللہ وہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔

اگلے کچھ دن ربیعہ اسکول نہیں آئی تو جماعت کی سب لڑکیاں بہت فکر مند تھیں۔ انھوں نے مس تابندہ کو اپنی پریشانی بتائی تو مس نے انھیں ربیعہ کے لیے دعا کرنے کا کہا۔

کئی دن ربیعہ اسکول نہ آسکی، پھر ایک دن فائزہ کو اِسکول کے دروازے سے ربیعہ داخل ہوتی دکھائی دی تو اُس کی جماعت کی لڑکیوں کی خوشی دیدنی تھی۔

سب نے ربیعہ کا خیر مقدم کیا۔

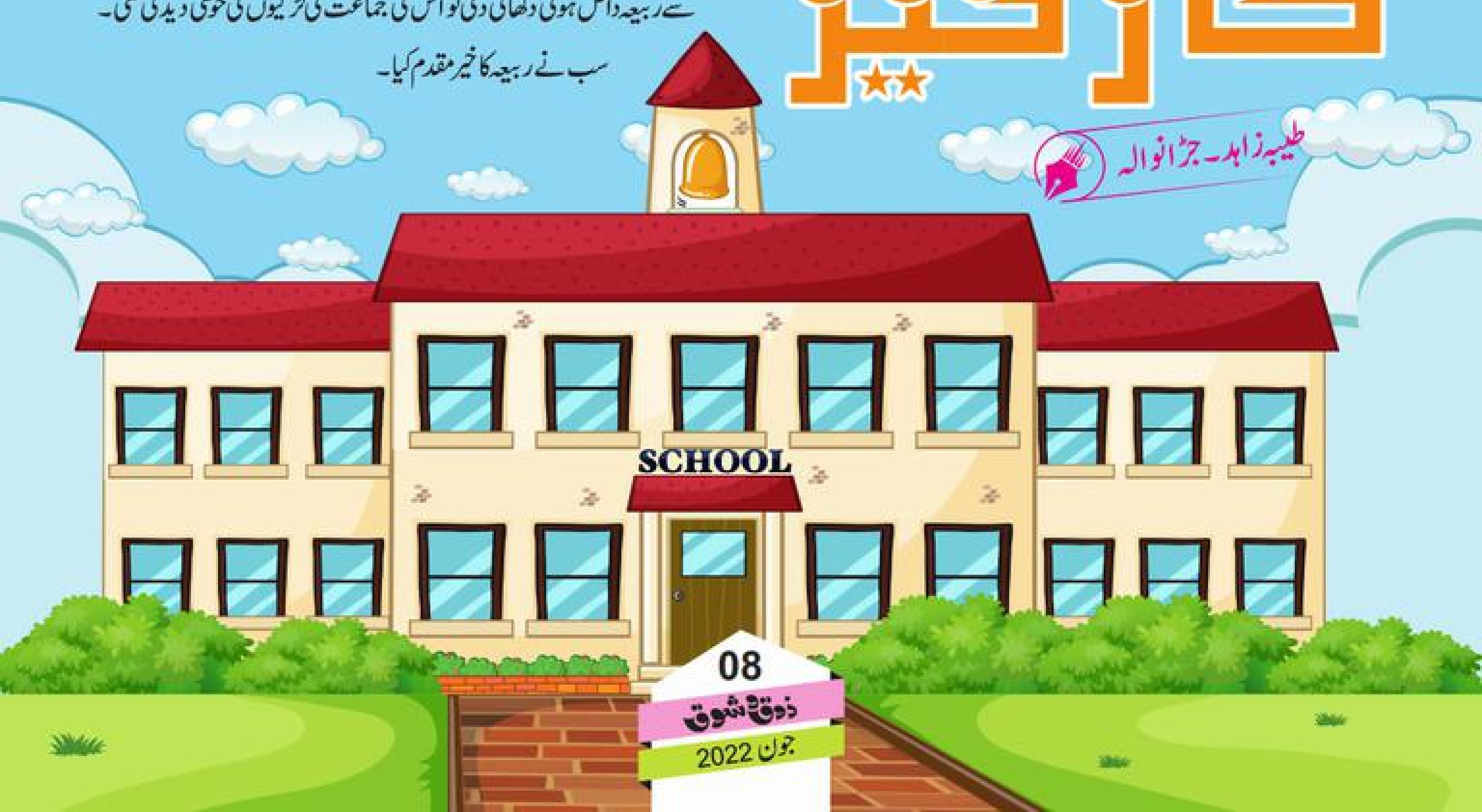

وقفے میں جب سب مل کر کھانا کھانے بیٹھیں تو ربیعہ سے پوچھنے لگیں کہ تم اسکول دوبارہ کیسے آئیں؟

ربیعہ نے انھیں بتایا کہ اس کے ابو جی بہت بیمار تھے، پھر اچانک ایک رات اُن کا انتقال ہوگیا۔ اب اس کے پاس اسکول چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا اُس نے اپنی امی سے کپڑے سلائی کرنا سیکھا اور اُن کا ہاتھ بٹانے لگی۔ مکمل سلائی تو نہ آتی تھی، مگر سیدھی سلائیاں لگانا، سلے ہوئے کپڑوں کو اِستری کرنا اور پیک کر کے رکھنا اس کی ذمے داری تھی۔

پھر ایک دن اچانک مس تابندہ ان کے گھر آئیں اور اُسے اسکول دوبارہ آنے کا کہا، جس پر اُس کی امی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اب ربیعہ نہیں پڑھے گی، کتابوں سے پیٹ نہیں بھرتے، ہنر سیکھ رہی ہے، کم از کم سلائی کر کے کچھ نہ کچھ کمائے گی تو بھوکی تو نہیں رہے گی۔

مس تابندہ نے اس کی امی کو بہت مشکل سے منایا اور ربیعہ کی پچھلی فیس ادا کرنے کی خوش خبری سنانے کے ساتھ ساتھ اس کے تمام تعلیمی اخراجات اپنے ذمے لینے کی یقین دہانی کرائی۔

اس کی امی نے یہ کہہ کر یہ مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کسی کا احسان نہیں لینا چاہتے۔

مس تابندہ نے امی جان کو بتایا کہ وہ یہ مدد اِحسان سمجھ کر نہیں کر رہیں، بل کہ یہ سب رقم انھیں گویا ادھار دے رہی ہیں، جب ان کی بیٹی پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو جائے گی تو کسی مستحق کی مدد کر کے یہ قرض اتار لے گی۔

بالآخر امی جان مان گئیں اور مس تابندہ کے کہنے پر ربیعہ نے اپنی تعلیم دوبارہ شروع کی۔

تمام طالبات مس تابندہ پر رشک کر رہی تھیں اور انھیں ناز تھا کہ ان کی استانی اتنے اعلیٰ ظرف کی مالک ہیں۔

ربیعہ نے کہا کہ وہ بھی پڑھ لکھ کر اُستانی بنے گی اور علم کی دولت مفت تقسیم کرے گی۔

دوسری طرف جماعت ہشتم نے اپنی جماعت میں ہفتہ وار پیسے جمع کر کے غریب اور مستحق طالبات کی مدد کرنا شروع کر دی، جس سے ان کی دیکھا دیکھی باقی جماعتوں میں بھی دوسروں کی مدد کا جذبہ ابھرا اور سب نے اپنے اپنے طریقے سے اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنا شروع کر دیا۔

ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو پُوچھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۰ جون تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کیا ہے؟

۱ یہ ملک مشرق وسطیٰ میں واقع ہے۔ اس ملک کے شمال میں ترکمانستان، آذربائیجان اور بحیرہ کیسپین، جنوب میں خلیج فارس، مغرب میں عراق اور مشرق میں پاکستان اور افغانستان واقع ہیں۔

۲ اس ملک کے صوبوں کی تعداد 25 ہے۔

۳ اس ملک کی سرکاری زبان فارسی ہے۔

۴ اس ملک کی پچاس فی صد آبادی کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس ملک کی صنعتوں میں قالین سازی کو اہم حیثیت حاصل ہے۔

۵ ’’کوہِ دماوند‘‘ (بلندی 18,376 فٹ) اس ملک کی سب سے بلند پہاڑی چوٹی کا نام ہے۔ اس ملک میں دو مشہور صحرا ’’دشتِ لوط‘‘ اور ’’دشتِ کاویر‘‘ بھی ہیں۔

درویش گورنر

دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق ؓ نے شام کا دورہ فرمایا اور حمص تشریف لائے۔ آپ نے وہاں کے وزیر خزانہ سے غریب اور محتاجوں کی فہرست طلب کی، تاکہ ان کی ضروریات پوری کرنے کا بندوبست کر سکیں۔ فہرست تیار ہو کر سیدنا عمر ؓ کے پاس آئی تو آپ ایک نام پڑھ کر حیرت سے چونک اٹھے۔

''سعید بن عامر!؟''

''سعید بن عامر کون ہے؟''

امیر المومنین نے پوچھا۔

''ہمارے امیر (گورنر) ہیں۔''

سیدنا عمر ؓ کا خدشہ درست نکلا، مگر اُن کی حیرت ابھی تک باقی تھی۔

''کیا تمھارا امیر، غریب آدمی ہے؟''

انھوں نے پوچھا۔

جی ہاں، بخدا اُن پر ایسے دن بھی آتے ہیں کہ ان کے گھر میں آگ تک نہیں جلتی۔''

لوگوں نے کہا۔

''وہ اس وظیفے کا کیا کرتے ہیں جو گورنر کی حیثیت سے انھیں ملتا ہے؟''

''وہ اسے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔''

سیدنا عمرؓ کی قناعت اور دنیا سے بے نیازی بھی بہت مشہور تھی، مگر سعیدؓ تو اُن سے بھی بازی لے گئے تھے۔ سیدنا عمرؓ ان کا یہ حال سن کر رونے لگے اور آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر آپؓ نے ایک ہزار دینار کی تھیلی سعیدؓ کے پاس بھیجی اور کہلوایا:

''یہ مال آپ کی ضرورت کے لیے ہے۔''

سعیدؓ نے تھیلی کھولی تو اُس میں دینار تھے۔ جلدی سے تھیلی ایک طرف ڈال دی، اس کے ساتھ ہی ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا، گویا آپ پر بڑی مصیبت نازل ہوئی ہو۔

گھر کے اندر اہلیہ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو وہ خوف زدہ ہو گئیں۔ تیزی سے پاس آئیں اور پوچھا:

''کیا ہوا؟ کیا امیر المومنین وفات پا گئے؟''

''بل کہ اس سے بھی بڑی مصیبت آ پڑی ہے۔''

سعیدؓ نے جواب دیا۔

''کیا مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں شکست ہوئی ہے؟''

''بل کہ اس سے بھی بڑی مصیبت نے آلیا ہے۔''

''اس سے بھی بڑی کیا مصیبت ہے!؟''

اہلیہ نے حیرت سے سوال کیا۔

''دنیا میری آخرت تباہ کرنے میرے پاس آ گئی ہے اور فتنہ (دولت) میرے گھر میں داخل ہو گیا ہے۔''

''اس سے نجات حاصل کر لیں۔''

اہلیہ نے مشورہ دیا۔

سعیدؓ نے دینار کی تھیلی ایک کونے میں پھینک دی اور خود نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ساری رات عبادت میں گزاری۔ صبح ہوئی تو اسلامی فوج کو وہاں سے گزرتے پایا۔ انھوں نے تھیلی اٹھائی اور اُس فوج کے حوالے کر دی۔

یہ تھے سعید بن عامرؓ، انتہائی عابد وزاہد شخص اور مثالی گورنر۔ انھیں دنیا اور اُس کی دل کشی سے کچھ غرض نہ تھی۔ ان کی ساری توجہ کا مرکز مرنے کے بعد آنے والی زندگی تھی۔ وہ اپنا ہر لمحہ آخرت کی تیاری میں صَرف کرتے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اس دنیا کا کم سے کم بوجھ اپنے ہم راہ لے کر جائیں۔

سیدنا عمرؓ کی جوہر شناس نگاہوں نے انھیں تلاش کیا اور اَمارت (گورنری) کی ذمے داری سونپی۔ سعیدؓ، امیر المومنینؓ کے اس بھروسے پر ہر طرح سے پورے اترے۔

......☆......

امارت سے پہلے سعیدؓ مدینے کے ایک گوشے میں خاموشی کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ حمص کے گورنر عیاض بن غنم وفات پا گئے۔ اب سیدنا عمرؓ کو اس ذمے داری کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش ہوئی۔ آپ کی جوہر شناس نگاہیں سعیدؓ پر پڑیں اور آپؓ نے انھیں بلا بھیجا۔ سعیدؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا:

''سعید! میں حمص کی ذمے داری تمھیں سونپ رہا ہوں۔''

''عمر! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں! مجھے دنیا کی طرف مائل نہ کریں۔''

سعیدؓ کی یہ بات سن کر سیدنا عمرؓ کو غصہ آ گیا اور فرمایا:

''تم لوگوں کا بُرا ہو۔ تم نے یہ بوجھ (خلافت) میری گردن پر ڈال دیا ہے اور اَب خود کو بچانا چاہتے ہو۔ بخدا! میں تمھیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔''

حضرت سعیدؓ نے اس ذمے داری سے بچنے کی بہت کوشش کی، مگر سیدنا عمرؓ نے ان کی ایک نہ سنی اور اُنھیں حمص کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا، پھر اُن سے پوچھا:

''تمھارے لیے روزی کا سامان کر دیا جائے؟''

''امیر المومنین! میں اس کا کیا کروں گا؟ بیت المال سے ملنے والا وظیفہ بھی میری ضروریات سے زائد ہے۔''

سعیدؓ نے کہا۔ اس نئی ذمے داری کے خوف سے ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، پھر وہ حمص چلے گئے۔

حمص کے لوگ اہل کوفہ کی مانند تھے۔ وہ حکومت کے ذمے داروں کی آئے دن شکایات کرتے رہتے تھے، اسی بنا پر حمص، چھوٹا کوفہ کہلاتا تھا۔

ایک دفعہ حمص سے چند لوگ مدینے آئے اور سیدنا عمرؓ کی خدمت میں سعیدؓ کے خلاف چار شکایات پیش کیں۔

۱۔ جب تک کافی دن نہیں چڑھ آتا وہ گھر سے نہیں نکلتے۔

۲۔ رات کے وقت کسی کو جواب نہیں دیتے۔

۳۔ مہینے میں ایک دن گھر سے بالکل باہر نہیں نکلتے۔

۴۔ کبھی کبھی انھیں جنون کے دورے پڑتے ہیں۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں ذرا سی شکایت بھی ملتی تو فوراً توجہ دیتے اور جواب طلبی فرماتے۔ چناں چہ سعید رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایات پا کر آپ نے انھیں تحقیقات کے لیے طلب کر لیا۔

سعید رضی اللہ عنہ مدینے پہنچے تو ہاتھ میں عصا تھا اور ایک پیالہ کاندھے پر رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں اس حال میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

''بس یہی سامان ہے آپ کے پاس؟''

انھوں نے پوچھا۔

''امیر المومنین! اس سے زیادہ ضرورت بھی کیا ہے؟ پیالے میں کھاتا ہوں اور عصا پر زادِ راہ لٹکا لیتا ہوں۔''

سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حمص کی شکایات کے بارے پوچھا:

''سعید! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

سعید رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر کہنے لگے:

''امیر المومنین! اللہ کی قسم میں ان باتوں کا ذکر پسند نہیں کرتا، مگر اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ میرے گھر والوں کے پاس کوئی خادم نہیں۔ ہر صبح اٹھتا ہوں اور اُن کے لیے آٹا گوندھتا ہوں، پھر آٹے میں خمیر اُٹھنے کا انتظار کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُن کے لیے روٹی پکاتا ہوں، پھر نہا دھو کر لوگوں کے لیے باہر نکلتا ہوں۔

رہا رات کے وقت جواب نہ دینے کا معاملہ تو دِن کو میں نے لوگوں کے لیے رکھ چھوڑا ہے اور رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے۔

امیر المومنین! میرے پاس کوئی خادم نہیں اور نہ ان کپڑوں کے سوا، جو میں نے پہن رکھے ہیں، کوئی اور لباس نہیں ہے۔ میں مہینے میں ایک مرتبہ انھیں دھوتا ہوں، پھر ان کے سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں اور دِن کے بالکل اختتام پر باہر نکلتا ہوں۔

امیر المومنین! مجھے جنون کی شکایت نہیں۔ ہاں، البتہ کبھی کبھار غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل ہوتے دیکھا تھا۔ ان دنوں میں مشرک تھا۔

قریش ان کے اعضا کاٹتے اور کہتے جاتے:

'کیا تمھارا دِل نہیں چاہتا کہ تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے؟'

خبیب کا جواب تھا:

'اللہ کی قسم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے بال بچوں کے درمیان امن سے رہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کانٹا بھی چبھ جائے۔'

بخدا! یہ بات مجھے آج بھی یاد آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ میں نے خبیب کی مدد کیوں نہ کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔''

سعید رضی اللہ عنہ کے جوابات سن کر عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ انھوں نے دل ہی دل میں کہا:

''اللہ کا شکر ہے کہ سعید کے بارے میں میرا گمان درست نکلا۔''

پھر اُن سے فرمایا:

''سعید! واپس حمص جاؤ۔''

''امیر المومنین! مجھے امارت کے اس بوجھ سے اب نجات دلا دیں۔''

سعید رضی اللہ عنہ کے دل کی خواہش پھر اُن کی زبان پر آ گئی۔

''نہیں، ہرگز نہیں! بخدا! تمھیں ضرور جانا ہوگا۔ تمھارے جیسا گلہ بان اور غم خوار، اہل حمص کو نہ مل پائے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست مسترد کر دی، چناں چہ سعید رضی اللہ عنہ دوبارہ حمص لوٹ گئے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے ایک بے نظیر زندگی گزاری، ایسے صاحب ایمان کی زندگی جس نے دنیا میں آخرت کو خرید لیا ہو۔ ان کی پرہیزگاری اور قناعت کی یہ حالت تھی کہ ان میں اور حمص کے عام غربا اور مساکین کے درمیان کچھ فرق باقی نہ رہا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے تو درویشی اور بے نیازی ہی پسند ہے۔''

ایک مرتبہ انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تھا:

''مفلس مہاجر، امیروں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ بخدا! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس سرخ اونٹ ہوں (عرب میں سرخ اونٹ کو سب سے قیمتی چیز خیال کیا جاتا تھا) اور میں ان کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ میں شامل ہونے سے محروم ہو جاؤں۔''

(ماخذ: ایام رفتہ)

دعوت

تسنیم شریف۔ کراچی

چیاؤں میاؤں نے پیزا بنایا
سب کو پھر دعوت پہ بلایا
بھالو آیا، بندر آیا
اپنے ساتھ چقندر لایا
چوہا چٹنی لے کر آیا
چٹنی کو پیزے پہ لگایا
مرغی لائی مرچ، پنیر
شہر سے مرغا لایا کھیر
لومڑی آئی کرنے کلام
دور سے سب نے کیا سلام
کوئل نے جو صدا لگائی
مور نے جھٹ پٹ میز سجائی
سب نے مل کر کھانا کھایا
لب پہ آیا شکر خدایا!

آلو پراٹھا

سلمان یوسف سمیجہ۔ علی پور

''امی! کیا آج میں پھر آلو کا پراٹھا لے کر جاؤں گا اسکول؟''

پھولے پھولے گالوں والے عبدالہادی عرف مونو نے نتھنے پھلائے۔

''جی بیٹا!''

ٹفن میں آلو کا پراٹھا رکھتی امی مسکرا دیں۔

''آلو کے پراٹھے کھا کھا کر تو میرے منہ کا ذائقہ ہی خراب ہو گیا ہے، بل کہ میرا منہ ہی آلو جیسا ہو گیا ہے۔''

مونو نے منہ بسورتے ہوئے اپنے گال میں انگلی چبھوئی۔

امی ہنس دیں۔

''امی! کچھ اور بھی بنا دیا کریں نا!'' مونو نے گویا التجا کی۔

''اچھا، ویسے یہ 'کچھ اور' کون سے کھانا ہوتا ہے؟ ہم نے تو کبھی نہیں کھایا۔''

امی نے مسکراتے ہوئے مزاحاً کہا۔

''امی ی ی!'' مونو نے احتجاج کیا۔

''بیٹا! آلو کا پراٹھا بہت مزے دار ہوتا ہے۔''

امی لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولیں۔

''امی! کچھ پیسے دے دیا کریں، میں کینٹین سے کچھ کھا لیا کروں گا، جیسے پکوڑے، سموسے......!'' مونو کہہ رہا تھا۔ کھانے کی چیزوں کا نام لیتے ہوئے اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔

''ہرگز نہیں۔ ایسی الم غلم چیزیں صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں، پتا نہیں کس قسم کے تیل میں تلی ہوتی ہیں!؟''

امی ٹفن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

اس نے منہ بسورتے ہوئے ٹفن لیا اور بستے میں رکھ لیا۔

اسی وقت بس کا ہارن سنائی دیا اور مونو بستہ کندھے پر لٹکائے امی کو سلام کرتا ہوا بس میں سوار ہو گیا۔

''السلام علیکم!'' مونو جیسے ہی بس میں سوار ہوا، حسبِ عادت بلند آواز

میں سب کو سلام کیا۔ بس میں موجود سب نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''آ گئے تم!؟'' مونو، اختر کے ساتھ والی نشست پر براجمان ہوا ہی تھا کہ اختر نے کہا۔ اختر اُس کا ہم جماعت تھا، اسکول میں ابھی نیا تھا اور چند دِن پہلے ہی مونو اور اُس کی دوستی ہوئی تھی۔ اختر بہت چالاک اور پیٹو لڑکا تھا۔

''ہاں تو کیا نہیں آتا؟''

مونو نے ہنستے ہوئے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ اختر بھی ہنس دیا۔

''آج کھانے میں کیا لائے ہو؟''

اختر نے چمکتی آنکھوں سے مونو کے بستے کو دیکھا، جس میں ٹفن تھا اور ٹفن میں آلو پراٹھا!

''آلو پراٹھا!'' مونو نے منہ بنا کر جواب دیا۔ اختر نے اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری دیکھی تو پوچھا:

''آلو کا پراٹھا کہتے ہوئے تمھارا منہ کیوں بن گیا؟ کیا تمھیں آلو کا پراٹھا پسند نہیں ہے؟''

''نہیں!'' ابھی تک مونو کا منہ بنا ہوا تھا۔

''اچھا، پھر تم یہ مجھے دے دو، میں آدھی چھٹی کے وقفے میں تمھیں کینٹین سے مزے مزے کی چیزیں کھلاؤں گا۔''

اختر نے کہا تو مونو کے دل میں لالچ آ گیا۔

''مگر امی نے کہا تھا کہ کینٹین کی نقصان دہ چیزیں نہیں کھانا، امی ناراض ہو گئیں تو؟'' اس نے دل میں سوچا۔

''ارے امی کو کیسے پتا چلے گا اس بات کا؟''

اس نے دل میں آئے ڈر کو نکالا اور بستے سے ٹفن نکالنے لگا۔ اختر بھوکی نظروں سے اسے بستے سے ٹفن نکالتا دیکھ رہا تھا۔

''یہ لو۔'' اس نے ٹفن اختر کے سامنے رکھ دیا۔ اختر پراٹھے پر ٹوٹ پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پورا پراٹھا چٹ کر چکا تھا۔

''ٹفن تو واپس کر دو، کیا ٹفن بھی کھانے کا ارادہ ہے؟''

مونو نے مسکراتے ہوئے اختر کی گود سے ٹفن اٹھایا۔

اختر نے ڈکار لی اور اپنی توند سہلانے لگا۔

''مزہ آ گیا!'' اختر بولا۔

......☆......

''آؤ اختر! تم مجھے کینٹین سے چیزیں کھلاؤ۔''

آدھی چھٹی کے وقت مونو نے اختر سے کہا۔ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی۔

''اوہ! میں تو امی سے پیسے لینا ہی بھول گیا تھا۔''

اختر نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ!'' افسوس سے مونو کے منہ سے نکلا۔ بھوک کے مارے اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔

''معذرت! یہ بندہ ناچیز تمھیں کوئی چیز نہیں کھلا سکتا، تمھاری کوئی خدمت نہیں کر سکتا!'' اختر بے توجہی سے بولا۔ مونو کا منہ لٹک گیا۔

''میں ذرا بیت الخلا سے ہو آؤں!''

اختر نے ہنسی چھپاتے ہوئے کہا۔ اسے مونو کو بے وقوف بنا کر اور اُس کا بنا ہوا منہ دیکھ کر بہت ہنسی آ رہی تھی، لیکن اس کی ہنسی مونو نے دیکھ لی اور اُسے دال میں کچھ کالا کالا نظر آیا۔

اختر کمرۂ جماعت سے باہر نکلا۔ مونو نے اس کا پیچھا کرنے کا سوچا، تاکہ دیکھے کہ اختر کہاں جا رہا ہے؟ وہ اختر کے پیچھے دبے قدموں چل دیا۔ اختر کا رُخ بیت الخلا کے بجائے کینٹین کی طرف تھا۔ وہ کینٹین سے سموسے، پکوڑے اور دہی بڑے خرید کر کھانے لگا۔

''اختر کے پاس پیسے تھے، اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔''

مونو نے افسوس سے سوچا اور مرے مرے قدم اُٹھاتا کمرۂ جماعت میں آ گیا۔ اسے بے حد بھوک ستا رہی تھی، اسکول میں پورا وقت وہ بھوکا رہا۔ گھر آ کر اُس نے امی کو ساری بات بتائی تو امی کچھ خفا ہوئیں، پھر بولیں:

''بیٹا! بُرے دوست نہیں بنانے چاہییں، اگر اختر تمھیں کینٹین کی غیر معیاری اور مضرِ صحت چیزیں کھلا بھی دیتا تو تم بیمار ہو جاتے۔ اور تم مجھ سے چھپ کر کھانے کا سوچ رہے تھے کہ امی کو تو پتا ہی نہیں چلے گا، کتنی بُری بات ہے!''

مونو شرمندہ ہو گیا۔

''اور بیٹا! لالچ نہیں کرتے۔ تم نے کینٹین کی لالچ میں آ کر اپنا آلو پراٹھا گنوا دیا، لالچ کا انجام بھی دیکھ لیا، اور بھوک بھی برداشت کرنی پڑی۔ نقصان الگ اُٹھایا۔ بیٹا! آں حضرت ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''لالچ سے بچو۔''

(الصحیح لمسلم: ۲۵۷۸، المسند: ۶۴۸۷)

امی نے پیار سے سمجھایا تو مونو فوراً سمجھ گیا۔ اس نے امی سے وعدہ کیا کہ وہ اختر جیسے بچوں سے دور رہے گا اور کبھی لالچ نہیں کرے گا۔

بول میری مچھلی

فرہاج صلاح الدین۔کراچی

’’رہو......سرمئی...... پاپلیٹ......مچھلی ی ی......اے ے ے!‘‘

یہ وہ آواز تھی، جو ہم اپنے بچپن سے سنتے آئے تھے۔سردی کے موسم میں مچھلی والا محلے میں داخل ہو کر یہ آواز لگاتا تو ہماری والدہ بھی آواز دیتیں:

’’بیٹا! جاؤ، جا کر ایک کلو مچھلی لے آؤ۔‘‘

ہم فوراً جاتے اور شکیب بدرالدین سے مچھلی خریدتے، چوں کہ ہم انھیں اور وہ ہمیں کافی عرصے سے جانتے تھے، اس لیے وہ مچھلی کاٹتے کاٹتے بات چیت بھی کرتے رہتے تھے۔کبھی موسم کی صورتِ حال، کبھی محلے میں کسی جھگڑے کی تفصیل اور کبھی پڑھائی لکھائی کے بارے میں مفید گفت گو ہوتی۔

کبھی وہ پوچھتے کہ ان کے علاوہ کوئی اور مچھلی والا تو یہاں نہیں آتا۔ہم انھیں اطمینان دلا دیتے کہ شکیب بھائی! روزی اور رزق کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے، آپ بے فکر ہو جائیں۔

دن اسی طرح گزرتے رہے، ہم ان کی مچھلی کھا کھا کر بڑے ہوتے گئے۔ اگرچہ مچھلی سمندر میں تیرتی ہے اور سمندر سے مل جاتی ہے، مگر ہر سال سردیوں میں اس کی قیمت آسمان پر چلی جاتی ہے۔

اب ہم اپنی زندگی کی کئی بہاریں دیکھ چکے ہیں، مطلب یہ کہ تیس سال کے قریب ہو گئے ہیں اور شکیب بھائی کی کئی من مچھلی کھا چکے ہیں۔شکیب بھائی کی عمر دراز کی بھی ففٹی ہو چکی ہے، لیکن ان کا ایک بھی بال سفید نہیں ہے۔معلوم نہیں یہ مچھلی کھانے کا کمال ہے یا وہ اپنے بالوں میں پابندی سے رنگ لگواتے ہیں۔

محلے کی بلیاں بھی انھیں پہچانتی ہیں۔جب وہ مچھلی کاٹ رہے ہوتے ہیں تو مچھلی کے غیر ضروری ’’اسپیئر پارٹس‘‘ بلیوں کے آگے ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ دو زانو ہو کر آرام سے کھاتی ہیں۔بلیوں کو معلوم ہے کہ شکیب بھائی مچھلی کی جگہ ان کا گوشت نہیں بنائیں گے، اسی طرح شکیب بھائی کو بھی معلوم ہے کہ یہ بلیاں کٹی ہوئی مچھلی کا کوئی ٹکڑا اُٹھا کر رفو چکر نہیں ہوں گی۔عدل و انصاف کے دور کا سماں ہوتا ہے۔ایک ہی چبوترے پر بلی اور مچھلی والا بیٹھے ہوتے ہیں۔معاملہ اسی طرح افہام و تفہیم سے چلتا رہتا ہے۔ہر سال بلیاں تبدیل ہو جاتی ہیں، لیکن اپنے بچوں کو بتا کر جاتی ہیں کہ شکیب بھائی سے بنا کر رکھنے میں ہی فائدہ ہے۔

شکیب بھائی پہلے سائیکل پر آتے تھے اور مجھے یاد ہے کہ وہ سائیکل روکنے سے پہلے ایک زوردار پیڈل مار دیا کرتے تھے، جس سے سائیکل

چلتی رہتی اور وہ پورے محلے میں چکر لگا کر آرام سے وہی آواز لگاتے جو ہم نے اس کہانی کے شروع میں لکھی ہے، آپ چاہیں تو وہاں پھر پڑھ لیں۔

اب انھوں نے مچھلیاں فروخت کر کے ایک لانچ، مطلب ہے ایک موٹر سائیکل خرید لی ہے۔ اُن کی سواری تو بدل گئی ہے، مگر عادت نہیں بدلی ہے۔ وہ اسی طرح محلے میں داخل ہوتے ہی موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا کر بند کر دیتے ہیں اور پھر یوں ہی چکر لگاتے ہیں۔

ایک دن اسی طرح ہم گھر میں بیٹھے تھے کہ شکیب بھائی کی آواز آئی۔ ہم مچھلی خریدنے کے لیے گئے، قیمت معلوم کی تو اللہ کی پناہ! اپنی جیب پر نگاہ ڈالی اور بمشکل ایک کلو ہی خرید پائے۔ وہ پریشان دیکھ کر بولے:

”کیا ہوا پاپلیٹ!؟“

وہ ہمیں پیار سے پاپلیٹ کہتے ہیں، کیوں کہ ہم جسمانی لحاظ سے پاپلیٹ کی طرح دبلے پتلے ہیں۔

”کچھ نہیں شکیب بھائی! بس آج دل چاہ رہا تھا کہ چار یا پانچ کلو مچھلی خرید لوں، لیکن......“

”پریشان مت ہو۔ میں کل سمندر پر مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو۔“

سمندر کا نام سن کر ہی جسم میں خوف کے مارے پانی خشک ہو گیا۔ بچپن سے ہی بہتا ہوا پانی دیکھ کر خوف آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یا تو ڈوب جائیں گے یا پھر پانی سے کوئی بڑی سی مخلوق نکلے گی اور ایک ہی نوالے میں کھا جائے گی۔

”تم فکر نہ کرو، میں تمھارے ساتھ ساتھ رہوں گا، تمھیں ڈوبنے نہیں دوں گا پاپلیٹ!“

”نہیں......نہیں، شکیب بھائی! میں ایک کلو مچھلی کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لوں گا، لیکن مچھلی کے شکار پر نہیں جاؤں گا۔“

”یہ تو سوچو، اگر وہاں اچھا شکار مل گیا تو تم بہت ساری مچھلی کھا سکو گے اور اگر کسی مچھلی کے پیٹ سے کوئی ہیرا نکل آیا تو تم راتوں رات امیر بن جاؤ گے۔“

ہم کبھی بھی سمندر پر جانے پر رضامند نہ ہوتے، مگر جب بہت ساری مچھلی اور ہیرے موتی کا سنا تو جسم میں بغیر مچھلی کھائے ہی تیزی سے پروٹین کی مقدار بڑھنے لگی۔

پھر شکیب بھائی کے ساتھ صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد مچھلی کے شکار پر جانا طے ہو گیا۔ پروگرام کے مطابق ہم اگلے دن موٹر سائیکل پر کیماڑی کی بندرگاہ کے پاس پہنچ گئے اور کچھ دیر بعد شکیب بھائی بھی آ گئے۔

یہاں کنارے پر چھوٹی بڑی کشتیاں کھڑی تھیں، جن میں لوگ سفر کرتے تھے۔ شکیب بھائی نے کشتی پر سفر کرنے کے لیے ایک ملاح سے بات کر لی۔

شکیب بھائی نے کشتی میں بیٹھنے کا کہا تو ہمارے قدم آگے نہ بڑھے۔ لگ رہا تھا کہ کسی نے پاؤں زمین سے باندھ دیے ہوں۔ سامنے سمندر کا کنارہ تھا، اس میں کشتیاں کھڑی تھیں، جو کہ پانی میں ہل رہی تھیں۔

ان ہلتی کشتیوں کو دیکھ کر ہمارا دل ڈول رہا تھا کہ اگر سمندر میں بڑی لہر آ گئی یا کشتی میں پانی بھر آیا تو ہم ڈوب جائیں گے۔ ڈوبنے سے زیادہ اس بات کا خوف تھا کہ پانی میں کسی مچھلی نے صبح کی خوراک سمجھ کر کھا لیا تو کیا ہو گا۔

کافی دیر ساکت کھڑا دیکھ کر شکیب بھائی نے ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر کشتی میں بٹھا لیا۔ ہم نے کشتی میں سفر کرنے کی دعا پڑھی اور حفاظت کی جتنی دعائیں یاد تھیں، وہ سب پڑھ لیں۔

ملاح نے کشتی کی موٹر اِسٹارٹ کی۔ کشتی چلنا شروع ہوئی۔ ہم کشتی میں بیٹھ کر کنارے پر کھڑے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں میں سے چند لوگ ہاتھ ہلا رہے تھے۔ شاید اُنھیں معلوم ہو چکا تھا کہ یہ کشتی ڈوبنے والی ہے، اس لیے وہ الوداع کر رہے تھے۔ شکیب بھائی نے ایک عدد لیموں، ایک خالی تھیلی دی اور کہنے لگے:

”یہ لیموں چاٹ لو، ان شا اللہ تعالیٰ اُلٹی نہیں آئے گی اور اگر آ جائے تو اس خالی تھیلی کا استعمال کر لینا۔“

ہم نے لیموں چاٹ لیا، مگر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دل، زندگی سے اُچاٹ ہو گیا ہے۔ کشتی جتنی تیزی سے سمندر میں آگے بڑھ رہی تھی ہمارا دل اُس سے بھی زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا اور آنکھوں میں خوف کا ایک سمندر سا تیر رہا تھا۔

جب کیماڑی کے ساحل پر تھے تو وہاں لہریں چھوٹی تھیں، مگر سمندر کے درمیان لہریں بہت اونچی تھیں۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے کشتی کو دیکھا تو وہ آدھی پانی کے اندر تھی اور جب کوئی بڑی لہر آتی تو وہ اُوپر آسمان کی طرف منہ کر کے اُٹھتی اور نیچے آ کر آدھی سے زیادہ پانی کے اندر چلی جاتی۔ کبھی کبھار تو کشتی اتنی اندر چلی جاتی کہ پانی اچھل کر کشتی میں آ جاتا۔ بس یہی وہ لمحہ ہوتا تھا جس میں خالی تھیلی کا استعمال کرنا پڑ جاتا تھا۔

شکیب بھائی اور ہم نے مچھلی کا شکار کرنے کے لیے پانی میں ڈور ڈالے۔ کافی دیر یوں ہی بیٹھے رہے، مگر شکار ہاتھ نہ لگا۔ شکیب بھائی

تو سفر کے عادی تھی، وہ کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر مزے سے شکار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بول میری مچھلی کتنا پانی!؟ جب کہ ہم کشتی میں اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ ایک ہاتھ سے کشتی کو اور دوسرے ہاتھ سے ڈور کو پکڑے ہوئے تھے۔

شکیب بھائی بیٹھے بیٹھے سمندر میں ڈوبنے والی کشتیوں اور بڑی بڑی مچھلیوں کے قصے بھی سنا رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان قصوں سے ہم لطف اندوز ہوں گے، مگر اُنھیں کیا معلوم کہ ڈر کے مارے سارے لطف ختم ہو گئے تھے۔

شکیب بھائی بولے:

''ہمارے بزرگوں نے ایک مرتبہ اتنی بڑی مچھلی پکڑی تھی کہ پوری بستی نے اُس کا گوشت کئی دنوں تک کھایا تھا۔''

ہم نے کہا:

''شکیب بھائی! ذرا آہستہ بولیے، کہیں اُس مچھلی کا کوئی رشتے دار نہ سُن لے اور اپنی اُس مچھلی کا بدلہ لینے کے لیے حملہ نہ کر دے۔''

شکیب بھائی کہاں خاموش رہنے والے تھے، انھوں نے وہیں کشتی پر بیٹھے بیٹھے سمندر کے درمیان آواز لگائی:

''رہو...... سرمئی...... پاپلیٹ...... مچھلی ی ی...... اے ے ے!''

ان کی اس ادا پر ہم بجھے دل کے ساتھ مسکرانے لگے۔ دورانِ سفر میں جب بھی کشتی پانی میں اُوپر نیچے ہوتی ہماری سانسیں اُوپر نیچے ہو جاتیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ابھی کوئی بڑی سی شارک مچھلی آئے گی اور کشتی پر ٹکر مار کر ہمیں پانی میں گرا دے گی اور پھر اپنے نوکیلے دانتوں سے چبا چبا کر کھا جائے گی۔

ہم نے اَدھ کھلی آنکھوں سے سمندر میں دیکھا تو ایک جگہ پانی میں اُبھار نظر آیا۔ ہم نے فوراً شکیب بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ سمندر کی کوئی بڑی مخلوق اُوپر آ گئی ہے۔ شکیب بھائی نے بتایا کہ وہ تو ایک بڑا بحری جہاز ہے۔

شکیب بھائی نے دو تین مچھلیاں پکڑ لی تھیں۔ ملاح نے وہیں کشتی پر اُنھیں بھون دیا اور ہم نے مزے لے لے کر کھایا۔ ہماری ڈور میں ایک بھی شکار نہیں لگا تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ڈور کا دوسرا سرا جو پانی میں ہے، اُسے ایک بڑی مچھلی پکڑ کر ہمیں ہی کھینچ لے گی اور ہم خود کسی مچھلی کا شکار ہو جائیں گے۔

ملاح نے بتایا کہ آج پانی چڑھا ہوا ہے، آج شکار مشکل سے ملے گا۔ یہ سن کر ہماری آنکھوں میں خون چڑھ آیا کہ ہم پھر یہاں آئے ہی کیوں ہیں۔ ملاح کو واپس چلنے کا کہا۔ اُس نے کسی موٹر سائیکل کی طرح کشتی کو اِس طرح گھمایا کہ اگر تھوڑا اور گھماتا تو ہم سب پانی کے اندر ہوتے۔

خیر، اللہ اللہ کر کے ظہر کی نماز سے پہلے ہم کنارے پر پہنچ گئے۔ مچھلی تو ہاتھ آئی نہ تھی۔ کیماڑی پر کچھ لوگ تازہ مچھلیاں فروخت کر رہے تھے، ہم نے وہیں سے دو کلو مچھلی خریدی اور گھر واپس آ گئے۔ گھر والوں کو یہ نہیں بتایا کہ یہ مچھلی خرید کر لائے ہیں یا شکار کر کے۔

البتہ آئندہ مچھلی کے شکار پر جانے سے توبہ کر لی ہے اور محلے میں ہی اپنے بڑھاپے تک شکیب بھائی کی مچھلی کھانے اور صبر و شکر کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

سوال آدھا جواب آدھا ۲۲

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۰، جون تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی سورۂ قلم کو ''سورۂ نٓ (نُون)'' بھی کہا جاتا ہے...... بتائیے ''سورۂ صلوٰۃ'' کس سورت کو کہتے ہیں؟

۲ اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی کتاب ''تورات'' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عبرانی زبان میں نازل کی تھی...... بتائیے حضرت داؤد علیہ السلام پر آسمانی کتاب ''زبور'' کس زبان میں نازل کی گئی تھی؟

۳ سفرِ معراج کے دوران میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی...... آپ یہ بتائیے کہ دوسرے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے دو انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات کی تھی؟

۴ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کا اصل نام ''صخر'' تھا...... بتائیے مشہور سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کا اصل نام کیا تھا؟

۵ پاکستان کے صوبہ خیبر پختون خواہ کا ''مردان ڈویژن'' تین اضلاع (مردان، چارسدہ اور صوابی) پر مشتمل ہے...... بتائیے صوبہ سندھ کا کون سا ڈویژن پانچ اضلاع پر مشتمل ہے؟

۶ ''مانچسٹر'' برطانیہ کی بندرگاہ ہے...... بتائیے ''ہونولولو'' کس ملک کی بندرگاہ ہے؟

۷ اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک میں ہر سال 10 دسمبر کو ''انسانی حقوق کا عالمی دن'' منایا جاتا ہے...... بتائیے نابینا افراد کی حوصلہ افزائی کے لیے ''سفید چھڑی کا عالمی دن'' ہر سال کس تاریخ کو منایا جاتا ہے؟

۸ سیارہ مشتری کا سورج سے فاصلہ 48 کروڑ 33 لاکھ میل ہے...... بتائیے سیارہ زحل، سورج سے کتنے میل دور ہے؟

۹ ''آئرن'' کی کمی سے انسان کو خون کی کمی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے...... بتائیے اگر کسی انسان کے جسم میں ''سلفر'' کی کمی ہو جائے تو وہ کون کون سے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے؟

۱۰ ''زبان پکڑنا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''بات کہنے سے روک دینا/ بیچ میں بول پڑنا''...... بتائیے ''زبان چلانا'' کا کیا مطلب ہے؟

جنت کی روش

قرۃ العین خرم ہاشمی۔ لاہور

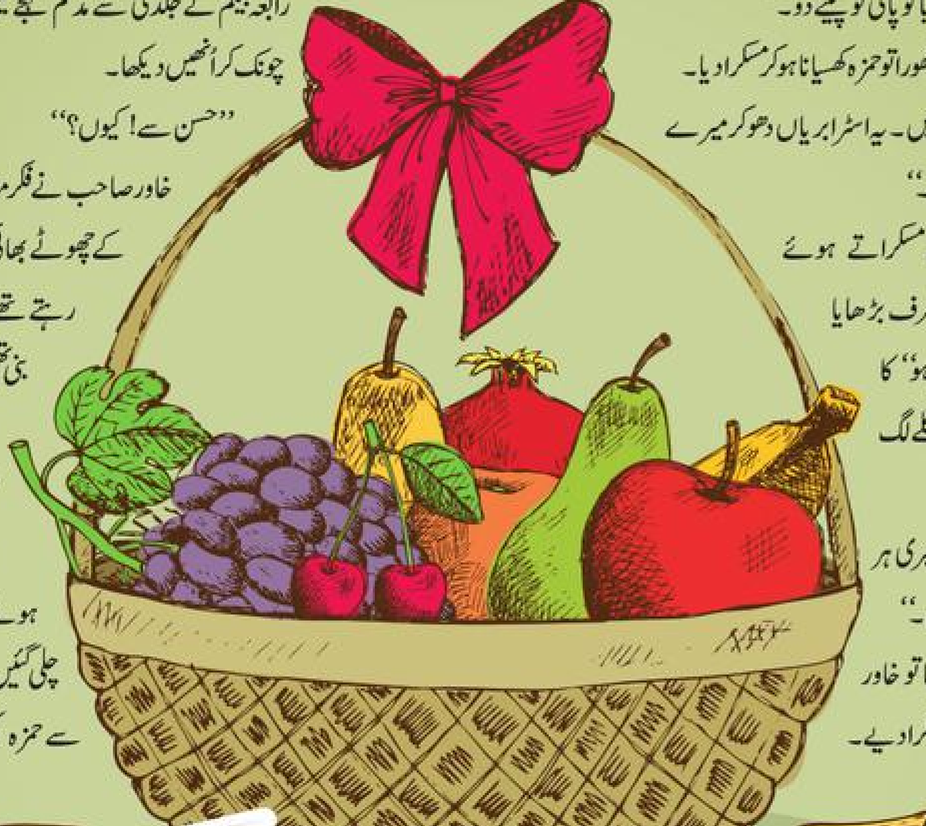

"بابا! میرے لیے اسٹرابری لائے؟"

حمزہ جو برآمدے میں بیٹھا اسکول کا کام کر رہا تھا، اپنے ابو خاور صاحب کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ خاور صاحب نے مسکرا کر اِکلوتے بیٹے کی طرف دیکھا، جو پھلوں کا بہت شوقین تھا۔ اسی وقت حمزہ کی امی رابعہ بیگم باورچی خانے سے باہر آئیں تو اُن کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔

"حمزہ! تھوڑا صبر، بابا کو پانی تو پینے دو۔"

رابعہ بیگم نے بیٹے کو گھورا تو حمزہ کھسیانا ہو کر مسکرا دیا۔

"حمزہ کو کچھ مت کہیں۔ یہ اسٹرابریاں دھو کر میرے بیٹے کے لیے لے آئیں۔"

خاور صاحب نے مسکراتے ہوئے ایک تھیلا، رابعہ بیگم کی طرف بڑھایا تو حمزہ نے خوشی سے "یاہو" کا نعرہ لگایا اور باپ کے گلے لگ گیا۔

"بابا! آپ ہمیشہ میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔"

حمزہ نے لاڈ سے کہا تو خاور صاحب اور رابعہ بیگم مسکرا دیے۔ رابعہ بیگم تھیلا پکڑ کر واپس پلٹ گئیں۔

"کیوں کہ میرا بچہ بہت فرماں بردار اور نیک ہے۔"

خاور صاحب نے مسکرا کر کہا تو حمزہ چونک گیا۔

"بابا! اگر میں اچھا بچہ نہ ہوتا تو کیا تب آپ میرے خواہش پوری نہ کرتے؟"

حمزہ نے حیرانی سے کہا تو خاور صاحب سر کھجانے لگے۔ حمزہ بہت ذہین بچہ تھا، ہر بات کی تہ میں اترنے والا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا، مگر اچھے بچوں کی ہر ادا اور ہر بات ماننے کا دل چاہتا ہے۔"

خاور صاحب نے جلدی سے کہا۔ اسی وقت رابعہ بیگم اسٹرابریاں اچھی طرح دھو کر لے آئیں۔ سرخ سرخ اسٹرابریاں دیکھ کر حمزہ مزید بحث بھول کر فوراً اُن کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"بہت مزے کی ہیں، مگر ابھی گرم ہیں۔"

حمزہ نے کہا اور پھر اسٹرابریاں فریج میں رکھنے چلا گیا۔

"حمزہ کو سمجھائیں، آج پھر حسن سے لڑ کر آیا ہے۔"

رابعہ بیگم نے جلدی سے مدھم لہجے میں کہا تو خاور صاحب نے چونک کر اُنھیں دیکھا۔

"حسن سے! کیوں؟"

خاور صاحب نے فکرمندی سے پوچھا۔ حسن ان کے چھوٹے بھائی کا بیٹا تھا، جو پچھلی گلی میں رہتے تھے۔ حسن اور حمزہ کی کبھی نہیں بنی تھی، جس کی وجہ حمزہ کا نخریلا مزاج تھا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

رابعہ بیگم نے حمزہ کو آتے ہوئے دیکھا تو فوراً وہاں سے چلی گئیں۔ خاور صاحب نے سنجیدگی سے حمزہ کی طرف دیکھا جو اپنے ادھورے ہوم ورک کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

"تمھیں ہوم ورک کرنے میں کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی؟"

خاور صاحب نے بات کرنے کی غرض سے پوچھا تو حمزہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں حسن کی طرح نالائق تو نہیں ہوں۔ آج بھی اسے سزا ملی تھی اور وہ کلاس سے باہر کھڑا تھا۔"

حمزہ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ حسن، حمزہ سے ایک سال چھوٹا تھا۔ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ حمزہ آٹھویں جماعت

میں تھا، جب کہ حسن ساتویں جماعت میں۔حمزہ، اپنی کلاس کے ذہین اور ممتاز بچوں میں شمار ہوتا، جب کہ حسن پڑھائی میں اچھا ضرور تھا، لیکن ممتاز طلبہ میں شامل نہیں تھا، مگر حسن کھیلوں میں حمزہ سے زیادہ قابل تھا، اس لیے کھیلوں والے استاد صاحب اسے بہت پسند کرتے تھے۔

''حسن تمھارا چھوٹا بھائی ہے۔ اگر اُسے کوئی مسئلہ یا مشکل درپیش آتی ہے تو تم اس کی مدد کردیا کرو۔''

خاور صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو حمزہ کا منہ بن گیا۔

''وہ اس قابل نہیں ہے اور آج تو میں نے اس سے ہمیشہ کے لیے لڑائی کرلی ہے۔''

حمزہ نے فخریہ انداز میں کہا۔

''بہت بُری بات ہے، مگر کیوں؟''

خاور صاحب چونکے۔

''بابا! میں نے اسے کہا تھا کہ وہ اس مرتبہ کھیلوں کے مقابلے میں حصہ نہ لے، لیکن وہ نہیں مان رہا تھا۔''

حمزہ نے ناگواری سے کہا۔

''کیوں؟''

خاور صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

''اس لیے کہ میرے ہم جماعت بار بار مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں حسن کی طرح اچھا کیوں نہیں کھیل سکتا؟''

حمزہ نے غصے سے کہا۔

''یہ سوال کرنا ہی غلط ہے، مگر اس کے جواب میں جو تم نے کیا وہ بھی ٹھیک نہیں۔ تمھیں تو فخر ہونا چاہیے کہ تمھارا کزن اتنا قابل ہے۔''

خاور صاحب نے پیار سے سمجھایا۔

''بابا! مجھے کسی پر فخر نہیں کرنا۔ میں خود بہت لائق ہوں۔ مجھے حسن کی کیا ضرورت ہے۔''

حمزہ نے غرور سے کہا تو خاور صاحب نے افسوس سے اسے دیکھا۔ اگلے دن خاور کی اپنے بھائی وقار سے ملاقات ہوئی۔ وہ حسن کے ساتھ عصر کی نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ حسن نے تایا کو دیکھتے ہی فوراً ادب سے سلام کیا۔ خاور صاحب بھی ان کے ساتھ مسجد چلے گئے۔

واپسی میں حسن نے خاور صاحب کے پوچھنے پر حمزہ کے بُرے رویے کا بتایا تو خاور صاحب افسوس کر کے رہ گئے۔

کچھ دن بعد اسکول میں کھیلوں کے دن کا اعلان ہوا تو حسن سب سے آگے تھا۔ حمزہ ہمیشہ کی طرح حسن کی مقبولیت اور تعریف سن کر حسد کا شکار ہو کر ذہنی دباؤ کی وجہ سے بیمار پڑ گیا۔ حمزہ کو اچانک تیز بخار نے آلیا۔ حمزہ کی خراب طبیعت کا سُن کر وقار صاحب اور حسن فوراً پہنچ گئے۔ جب تک حمزہ ٹھیک نہیں ہوا حسن ہر روز اُس کا حال پوچھنے آتا، بل کہ اسکول میں اس کی چھٹی کی درخواست بھی حسن نے ہی دی۔

''دیکھا، حسن کتنا ہمدرد اور نیک دل بچہ ہے۔''

حمزہ کے ٹھیک ہونے پر خاور صاحب نے کہا تو حمزہ چپ رہا۔ حسن کے اچھے رویے پر حمزہ کا دل بھی موم ہوا تھا، مگر وہ پھر بھی اپنی اکڑ میں رہتا تھا اور حسن کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

کھیلوں والے دن دوڑ کے مقابلے میں بھاگتے ہوئے حسن کا پاؤں دوسرے ساتھی کے پاؤں میں اٹک گیا اور وہ تیز رفتاری کی وجہ سے بُری طرح گرا۔ حسن کو کافی چوٹیں آئیں۔ حسن کی مرہم پٹی کروا کر اُسے فوراً گھر بھیج دیا گیا۔ خاور صاحب اور رابعہ بیگم حسن کا حال پوچھنے اس کے گھر جانے لگے تو حمزہ نے جانے سے صاف انکار کردیا۔

''اسے کس نے کہا تھا کہ ریس میں حصہ لے۔ اچھا ہوا کہ چوٹ لگ گئی۔''

حمزہ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''حمزہ! بہت بُری بات ہے! اپنے بھائی کی تکلیف پر خوش ہو رہے ہو؟''

رابعہ بیگم نے حمزہ کو ڈانٹا۔

''وہ میرا بھائی نہیں ہے۔''

حمزہ نے چڑ کر کہا تو خاور صاحب نے سنجیدگی سے حمزہ کی طرف دیکھا۔

''حمزہ! یہی فرق ہے تم میں اور حسن میں! حسن نے تمھاری بیماری میں کتنا خیال رکھا اور تم......

ایک بات بتاؤ! تمھیں پھل بہت پسند ہیں نا! مگر افسوس کہ تم صرف دنیا کے پھلوں کا ذائقہ چکھ سکتے ہو، کیوں کہ تم آخرت میں ملنے والے بہترین پھلوں سے دور ہو رہے ہو۔''

خاور صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو حمزہ نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔

''وہ کیوں بابا!؟''

حمزہ نے حیرانی سے سوال کیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 28 پر

شارٹ کٹ

ام نسیبہ - کراچی

"چلو رانو! ریس لگاتے ہیں۔"

مانو بلی نے رانو بلی سے کہا۔

موسم خوش گوار تھا۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ مانو کا دِل چاہا کہ کچھ کھیلا کودا جائے۔

"مگر میرا تو دِل چاہ رہا ہے کہ جھیل کنارے بیٹھ کر موسم کا مزہ لیا جائے اور کنارے پر آنے والی مچھلیوں کو پکڑ کر مزے مزے سے کھایا جائے۔"

رانو بولی۔

"کیا رانو! ہر وقت سستی کی ملکہ بنی بیٹھی رہتی ہو۔ اس طرح تو تمھارا وزن دن بدن بڑھتا چلا جائے گا۔"

مانو نے رانو کو منانا چاہا۔

"اچھا اچھا، چلو لگاتے ہیں ریس۔"

آخر کار رانو مان ہی گئی۔

دونوں نے جھیل کے کنارے سے جنگل کے دوسرے کنارے تک دوڑ کی حد مقرر کی۔

طے یہ کیا کہ دونوں میں سے جو پہلے مقررہ جگہ پر پہنچا وہ فاتح قرار پائے گا اور ہارنے والا جیتنے والے کو پیٹ بھر کر مچھلیاں شکار کر کے کھلائے گا، اس طرح دونوں کی بات بھی پوری ہو جائے گی۔

دوڑ کا آغاز دو مختلف راستوں سے کیا گیا۔ رانو اور مانو نے دوڑنا شروع کیا۔ دونوں تیز بھاگ رہی تھیں اور جیتنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بھاگتے بھاگتے مانو کو راستے میں ایک پگڈنڈی نظر آئی، جو جنگل کے اسی کنارے تک جاتی تھی جو اُن کی دوڑ کی اختتامی حد تھی۔

"آہا!!! شارٹ کٹ!"

مانو دِل ہی دل میں بولی اور پگڈنڈی پر آگئی۔

"کتنا مزہ آئے گا جب میں رانو سے پہلے منزل تک پہنچ جاؤں گی۔"

مانو سوچ کر مسکرانے لگی۔

پگڈنڈی کے آس پاس گھنے درخت تھے۔ مانو خوشی خوشی بھاگ رہی تھی اور کافی راستہ طے کر چکی تھی۔

یہ جگہ جنگل میں بالکل بے آباد تھی۔ بھاگتے بھاگتے مانو درختوں کے بیچ بھول بھلیوں میں کھو گئی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جائے۔ ہر طرف لمبے چوڑے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ گھنے درختوں کی وجہ سے اس جگہ روشنی بھی کم تھی۔

مانو پریشان ہو گئی، کبھی اِدھر بھاگتی تو کبھی اُدھر، مگر اُسے کوئی راستہ بھائی نہیں دیا۔ گہرے بادلوں نے مزید اندھیرا کر دیا تھا۔

"اُففف! کہاں جاؤں میں۔ اگر طوفانی بارش شروع ہو گئی تو......"

مانو رونے لگی۔

اسے احساس ہوا کہ یہ اس کی بے ایمانی کا نتیجہ ہے جو اُس نے شارٹ کٹ کا انتخاب کر کے کی۔ اسے بہت ندامت ہوئی۔

اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور بجلی کڑکنے لگی۔ مانو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی، کیوں کہ اسے بارش کی شدت کم ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ اس نے سنا ہوا تھا کہ بجلی اگر گرتی ہے تو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

’’یا اللہ! مجھے معاف کردیں۔ میں آئندہ کسی کو دھوکا نہیں دوں گی۔‘‘

وہ زار و قطار رونے لگی۔ کچھ دیر بعد بارش کچھ ہلکی ہوگئی۔

’’کسی طرف تو چلنا چاہیے، کب تک یہاں بیٹھی رہوں گی!؟‘‘

یہ سوچ کر وہ آہستہ آہستہ ایک سمت چلنے لگی۔

کچھ دور اُسے پگڈنڈی ختم ہوتی دکھائی دی تو وہ تیزی سے وہاں پہنچی۔ یہ جنگل کا دوسرا کنارہ تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر اُسے رانو بھی کھڑی دکھائی دی تو اُس نے سکون کا سانس لیا۔

’’ارے مانو! شکر ہے تم آگئیں، مگر تم یہاں سے کیسے؟ میں تو پریشان ہو رہی تھی۔‘‘

رانو نے حیرت سے پوچھا تو مانو رونے لگی۔

’’ارے ارے، کیا ہوا میری دوست! کیا ہارنے پر رو رہی ہو؟‘‘

رانو پیار سے بولی۔

’’رانو! میں کھو گئی تھی۔‘‘

مانو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور اُسے پوری بات بتادی۔

’’چلو شکر ہے، تمھیں صحیح راستہ مل گیا اور تم صحیح سلامت واپس آگئیں، کیوں کہ گھنے جنگل میں خوں خوار جانور بھی ہوتے ہیں۔ بارش اور بادلوں کی گرج چمک بھی خطرے سے خالی نہیں تھی۔‘‘

’’میں نے تمھیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی نا رانو! اسی لیے مجھے سزا ملی۔‘‘

مانو سر جھکا کر بولی۔

’’پیاری دوست! تم ایسا نہ سوچو۔ خوشی اس بات کی ہے کہ تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔‘‘

رانو نے کہا تو مانو نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں جھیل کی طرف روانہ ہوگئیں کہ ابھی مچھلیوں کی دعوت بھی تو اُڑانی تھی۔

سوال آدھا، جواب آدھا (۳۱) کے
درست جوابات

1. سورۂ بقرہ۔
2. ۷ (سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ انعام، سورۂ انبیاء، سورۂ نمل، سورۂ سبا اور سورۂ صٓ)۔
3. حضرت سارہ علیہا السلام کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ تھیں۔

(نوٹ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ منفرد لقب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی چار نسلوں کو نبوت کے منصب پر فائز فرمایا تھا۔ پہلی نسل میں آپ علیہ السلام کو، دوسری نسل میں آپ علیہ السلام کے دو بیٹوں، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو، اُن کے بعد تیسری نسل میں آپ علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور اُن کے بعد چوتھی نسل میں آپ علیہ السلام کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا)۔

4. وضو کے درمیان داڑھی میں انگلیاں داخل کرنا، یعنی خلال کرنا۔
5. 10، دسمبر 1971ء کو شکر گڑھ سیکٹر میں شہید ہوئے تھے۔
6. لندن۔
7. گرینڈ نیشنل اسمبلی۔
8. ہمنگ برڈ (یہ پرندہ جنوبی امریکا اور وسطی امریکا میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی چونچ سے دم تک تقریباً 5 سینٹی میٹر ہوتی ہے، جب کہ اس کا وزن تقریباً 2 گرام ہوتا ہے۔ یہ پرندہ، مکڑی کے جالے کے قریب اپنا چھوٹا سا گھونسلا بناتا ہے، جہاں اس کی مادہ تقریباً 8 ملی میٹر لمبا انڈا دیتی ہے)۔
9. ہری سبزیاں۔
10. انسانی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے جگہ کا خوف ناک معلوم ہونا۔

ذوقِ معلومات (۷۵) کا درست جواب

☆ سری لنکا

بکھرے موتی

قارئین

☆ کسی شخص کو کوئی بات سمجھاتے وقت یہ خیال مت کرو کہ تم اس سے کیا کہہ رہے ہو، بل کہ یہ دیکھو کہ وہ اس کا کیا نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

☆ برے وقت میں اپنوں میں چھپے پرائے اور پرایوں میں چھپے اپنے نظر آجاتے ہیں۔ (حفصہ شوکت۔ کراچی)

☆ زندگی میں خود کو کبھی کسی انسان کا عادی مت بنائیں، کیوں کہ انسان بہت خود غرض ہے۔ جب آپ کو پسند کرتا ہے تو آپ کی برائی بھول جاتا ہے اور جب آپ سے نفرت کرتا ہے تو آپ کی اچھائی بھول جاتا ہے۔

☆ اگر راستہ خوب صورت ہے تو معلوم کرو کہ کس منزل کو جاتا ہے، لیکن اگر منزل خوب صورت ہے تو راستے کی پروا مت کرو۔

(عبدالواسع۔ کراچی)

☆ جب تک تمھارا غرور اور غصہ باقی ہے اپنے آپ کو نیک لوگوں میں شمار نہ کرو۔

☆ اچھا دوست ایسے درخت کی مانند ہے جو سایہ بھی دیتا ہے اور پھل بھی۔

☆ اختلاف کے باوجود کسی سے اچھے اخلاق سے پیش آنا کمزوری نہیں، بل کہ بہترین تربیت کی دلیل ہے۔ (ماہ نور۔ حیدرآباد)

☆ کسی کی تعریف کو دماغ پر اور کسی کی تنقید کو دل پر کبھی سوار نہ ہونے دیں۔

☆ اللہ سے جب بھی مانگیں بھروسے سے مانگیں، کیوں کہ وہ تب بھی دیتا ہے جب آپ نہیں مانگتے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ مانگیں اور وہ عطا نہ کرے۔

☆ ایک شخص بن کر نہ جیو، بل کہ ایک شخصیت بن کر جیو، کیوں کہ شخص تو مر جاتا ہے، لیکن شخصیت نہیں مرتی۔

☆ آپ کا اچھا وقت دنیا کو بتاتا ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا برا وقت آپ کو بتاتا ہے کہ دنیا کیا ہے؟

☆ ایسی خوشی سے بچو جو دوسروں کو دکھ دے کر حاصل ہو۔

(ناہید۔ ٹھٹھہ)

☆ انسان بھی کیا چیز ہے:

دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھو دیتا ہے، پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھو دیتا ہے۔

مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کر دیتا ہے، پھر مستقبل میں اپنا ماضی یاد کر کے روتا ہے۔

جیتا ایسے ہے جیسے کبھی مرے گا ہی نہیں اور مرتا ایسے ہے جیسے کبھی جیا ہی نہیں۔

☆ سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو کرنے والے کی نظر میں چھوٹا ہو۔

☆ گفتگو ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے انسان یا تو دل میں اُتر جاتا ہے یا پھر دل سے اُتر جاتا ہے۔ (فرخ حسین۔ سکھر)

☆ خوش نصیب وہ نہیں جس کا نصیب اچھا ہو، بل کہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہو۔

☆ عزت دل میں ہونی چاہیے لفظوں میں نہیں، جب کہ ناراضی لفظوں میں ہونی چاہیے دل میں نہیں۔

☆ برائی جیت تو سکتی ہے، لیکن برائی کے نصیب میں جشن فتح نہیں۔

(حیدر علی۔ میر پور خاص)

اپنے ہاتھ سے

محمد اکمل معروف۔ حیدر آباد

میں دفتر میں دیر تک بیٹھا کام کرتا رہا تھا، اس لیے بہت تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ عموماً ہم چار بجے تک گھروں کو چلے جاتے ہیں، مگر چند دن سے کام زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر دفتر میں بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ نماز اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر پھر سے فائلوں میں سر کھپانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ نجی اداروں کی ملازمت میں اضافی کام کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوتی ہے۔ مالکان اچھی تنخواہیں دینے کے ساتھ ساتھ کام بھی پوری ایمان داری سے مانگتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کہ جس کام یا وقت کی ہم اجرت وصول کر رہے ہوں اسے اپنے وقت پر پوری توجہ اور محنت سے مکمل کریں۔

”اجمل صاحب! کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ سلمان احمد نام بتا رہے ہیں۔“ ہمارے دفتر کے نائب قاصد، عالم خان نے مجھے کسی ملاقاتی کی آمد سے آگاہ کیا۔

”سلمان احمد؟ اچھا اچھا، ٹھیک ہے، انھیں میرے پاس بھیج دیں۔“

میں اچانک سلمان احمد کا نام سن کر چونک اٹھا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ رابطے میں نہیں تھا، اس لیے اس کی آمد کا سن کر کچھ حیرت سی ہوئی تھی۔ سلمان میرے اسکول کے زمانے کے دوستوں میں سے تھا۔ کسی بڑی مارکیٹ میں گارمنٹس کی دکان کھولی ہوئی تھی۔ یہ سب بھی ایک مشترکہ دوست اقبال کی زبانی معلوم ہوا تھا، نہیں تو اُس سے میری ملاقات ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی بہت عرصے سے نہیں ہوئی تھی۔

”السلام علیکم!“ سلمان نے میرے قریب پہنچتے ہی سلام کیا تو میں کھڑے ہو کر اُس سے گلے ملا اور مصافحہ کیا۔

”وعلیکم السلام! بیٹھو یار! آج بہت دنوں بعد تم نے دیدار کرایا ہے۔ سناؤ، سب خیریت تو ہے، بھابھی اور بچے وغیرہ تو ٹھیک ہیں۔“ میرے دریافت کرنے پر اُس نے اپنی خیر خیریت سے آگاہ کیا۔ میں نے چائے منگوائی۔ ہم دونوں چائے پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کافی حد تک پریشان ہے۔ جس مارکیٹ میں اس کی دکان تھی اسے ناجائز تجاوزات کے سلسلے میں ڈھا دیا گیا تھا اور اب وہ بے روزگار ہے اور پیسے پیسے کا محتاج ہے۔

”یار اجمل! آج تمھارے پاس بہت مجبوری میں آیا ہوں۔ مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے۔ زیادہ نہیں، بس پانچ ہزار روپے دے دو۔ میں کسی مناسب وقت پر تمھیں لوٹا دوں گا۔“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں، یہ لو۔ آج اتفاق سے دو تاریخ ہے اور مجھے کل ہی تنخواہ ملی ہے، تمھیں جب سہولت ہو واپس کر دینا۔“ میں نے اسے اپنے بٹوے میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر دیتے ہوئے کہا تو اُس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

گھر واپس آنے کے بعد بھی میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ کسی کی مدد کرنا تو اچھی بات ہے، مگر کسی کو اُس کے پاؤں پر کھڑا کر دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اگر انسان خود کمانے کے لائق ہو جائے تو وہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے گا۔

میں نے اقبال کو کال ملائی اور رسمی سلام دعا کے بعد اُسے سلمان سے ملاقات کے حوالے سے بتایا۔ میں نے اسے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی چھوٹا موٹا سا کاروبار شروع کرانے میں سلمان کی مدد کی جائے، مگر اقبال نے مجھے یہ حقیقت بتا کر حیران کر دیا کہ سلمان کی دکان ختم ہوئے کئی ماہ ہو چکے

ہیں اور اس دوران میں وہ مختلف دوستوں سے ادھار کے نام پر ہزاروں روپے لے چکا ہے، لیکن کوئی چھوٹا کام کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

''اقبال! تم کل شام میرے ساتھ اس کے گھر چلو، کوشش کریں گے کہ اسے کسی چھوٹے کام کے لیے راضی کر سکیں، اس طرح وہ ادھار کی شرمندگی سے بھی بچ جائے گا اور اُس کے کمانے کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ کل پھر ان شاءاللہ! اس کے پاس چلتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اُس نے کال منقطع کر دی۔

......☆......

''میں انٹر پاس ہوں اور ایک بڑی مارکیٹ میں دس سال تک دکان چلاتا رہا ہوں، میں کس طرح پھلوں کا ایک چھوٹا سا ٹھیلا لگاؤں گا؟ میرے عزیز و اقارب میرا مذاق اڑائیں گے۔'' سلمان نے انکار میں سَر ہلایا۔

ہم اگلے روز شام کے وقت سلمان احمد کے گھر کے پاس چائے کے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے اور جو پروگرام طے کیا تھا اسی حوالے سے اس سے بات چیت چل رہی تھی۔

''دیکھو سلمان! تم سمجھنے کی کوشش کرو، مجھے پتا چلا ہے کہ تم پر دوستوں کا بہت ادھار چڑھ گیا ہے۔ آخر تم کب تک اس طرح کام چلاؤ گے۔ محنت کرنے میں کوئی شرم نہیں کرنی چاہیے۔ تم نے تو صرف انٹر پاس کیا ہے، جب کہ میں ڈبل ایم۔ اے۔ ہوں اور پرائیوٹ کمپنی میں جاب ملنے سے پہلے مختلف دکانوں پر جا کر سیلز کا کام کرتا رہا ہوں۔''

''سلمان! اجمل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مجھے دیکھو، میں نے تو گریجویشن کی ہے، مگر نوکری نہ ملنے کے بعد اپنے محلے میں ہی چھوٹا سا جنرل اسٹور چلا رہا ہوں اور الحمدللہ! اچھی طرح گزر بسر ہو رہی ہے۔'' اقبال نے بھی اس کی ہمت بڑھائی۔

''تم لوگ شاید سوچ رہے ہو کہ میں تم سے مزید قرض نہ مانگ لوں، اس لیے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''یار! تم غلط سمجھ رہے ہو، ہم تمھیں مستقل روزگار پر دیکھنا چاہتے ہیں۔'' میں نے اسے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ اٹھ کر چلا گیا۔

ہم دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ہمارے نیک جذبے کو سراہنے کے بجائے وہ ہمیں غلط سمجھ رہا تھا، مگر وہ ہمارا دوست تھا اور ایسا دوست جسے درست راہ نمائی اور سہارے کی ضرورت تھی۔

''ہمیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑے گا۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ کچھ دیر بعد ہم بھی اٹھ کر اپنے اپنے گھر آ گئے۔

اگلے روز میں نے دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی لی اور سیدھا پھل منڈی جا پہنچا۔ اس سلسلے میں ایک ایسے کزن کی مدد حاصل کی جسے پھلوں کے کاروبار کا تجربہ تھا۔ کچھ اقسام کے پھل خریدے اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر ایک دکان والے سے بات کر کے اس کے سامنے ان پھلوں کا ٹھیلا لگا لیا۔ یہ جگہ سلمان کے گھر کے راستے میں تھی، اس لیے پوری اُمید تھی کہ اس کی توجہ ضرور اِس ٹھیلے کی طرف مبذول ہو گی۔ ابھی مجھے اس ٹھیلے پر تیسرا دن تھا کہ قریب سے گزرتے سلمان کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کا سمندر دِکھائی دیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دور سے ہی سلام کیا۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے میرے قریب چلا آیا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو؟ تمھاری تو اچھی خاصی نوکری ہے، پھر؟'' اس کے لہجے میں بہت خفت تھی۔

''یار سلمان! مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے اور تنخواہ میں گزارا مشکل ہو گیا ہے۔ ابھی تو دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر کام سیٹ کر رہا ہوں، جب کام چل نکلے گا تو شام کو دفتر سے آنے کے بعد رات دیر تک اس ٹھیلے پر آ جایا کروں گا اور دن کے لیے کسی بندے کو رکھ لوں گا، اس طرح کچھ اضافی آمدن ہو جائے گی۔''
اس نے میری بات سن کر کچھ بھی نہ کہا، بس خاموشی سے سر جھکا کر چلا گیا۔

اگلے دو دِن تک وہ گزرتے وقت ہر بار میری طرف نظر ڈالتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ میں بھی اس کی طرف زیادہ نہ دیکھتا اور اپنا دھیان ادھر اُدھر لگا لیتا۔ چھٹے دن وہ مجھے پھر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ میرے پاس آ کر خاموش نگاہوں سے دیکھنے لگا، پھر کچھ دھیمے لہجے میں کہا:

''یار! جب تم ملازمت پر ہوتے ہوئے یہ کام کر سکتے ہو تو مجھے کس بات کی شرم! وہ تم کہہ رہے تھے نا کہ دن کے وقت تمھیں کسی کی ضرورت پڑے گی تو مجھے اس کام کے لیے رکھ لینا۔''

میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جو میں چاہتا تھا ویسا ہی ہوا، میری ترکیب کارگر ثابت ہوئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا اور کہا:

''سلمان! تمھیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ یہ سب میں نے تمھیں یہی سمجھانے کے لیے کیا تھا۔

بقیہ صفحہ نمبر 34 پر

بہت ہی اچھا اور فرماں بردار بچہ ہے۔ اسکول میں اس کی سب کے ساتھ دوستی ہے، مگر اسماعیل کے ساتھ اس کی گہری دوستی ہے۔ سائنس پراجیکٹ کے سلسلے میں آج اسکول سے واپسی پر اُسے اسماعیل کے ساتھ اس کے گھر جانا تھا، جس کی اجازت وہ اپنے والدین سے پہلے ہی لے چکا تھا۔

داؤد اسکول سے چھٹی کے بعد اسماعیل کے ساتھ اس کے گھر پہنچا تو پہلے دونوں نے کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد داؤد نے اسماعیل سے پراجیکٹ پر کام شروع کرنے کو کہا، تاکہ وہ جلدی سے اپنے گھر پہنچ سکے۔

''پراجیکٹ پر کام شروع کرنے سے پہلے آؤ، میں تمھیں کچھ دکھاتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اسماعیل، داؤد کو اپنے گھر کے پچھلے حصے میں لے گیا، جہاں ایک بڑے سے پنجرے میں بہت سارے خوب صورت، رنگ برنگے، چھوٹے بڑے پرندے قید ہیں۔ داؤد نے پرندوں کو دیکھتے ہی کہا:

''اسماعیل! یہ سب تمھارے ہیں کیا؟''

اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بہت خوب صورت ہیں۔ تمھیں معلوم ہے مجھے پرندے بہت پسند ہیں۔'' داؤد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی، اسی لیے تو میں تمھیں یہ دکھانے لایا ہوں۔

وہ سب سے اوپر خانے میں جو توتا ہے نا! وہ میرا سب سے پسندیدہ توتا ہے۔ ابو نے پچھلی عید پر تحفہ دیا تھا۔'' اسماعیل نے اشارہ کرتے ہوئے داؤد کو بتایا۔

کچھ دیر وہ دونوں پرندوں کے پاس کھڑے پرندوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے، پھر پراجیکٹ پر کام کرنے کے لیے کمرے میں چلے گئے۔ کام کے دوران میں اور اسماعیل کے گھر سے واپس آتے ہوئے بھی داؤد کا دھیان پرندوں کی طرف ہی رہا۔

داؤد اسکول سے واپس آنے پر کھانا کھاتے ہوئے امی کو اسکول میں ہونے والی تمام باتیں بتایا کرتا ہے۔ کیا پڑھا؟ کیا کیا؟ کیا کچھ نیا سیکھا؟

مگر اسماعیل کے گھر سے واپس آکر باقی سب باتیں بتانے کی بجائے وہ پرندے لینے کی عجیب ضد لگائے بیٹھا ہے۔

''داؤد بیٹا! ضد نہیں کرتے۔''

''امی! مجھے پرندے چاہییں۔''

''بیٹا! پرندوں کو قید نہیں کرنا چاہیے۔'' اس کی امی نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''امی! اسماعیل کے پاس بھی تو پرندے ہیں۔'' داؤد بضد رہا۔ اتنے میں ابو بھی آگئے۔ داؤد کی امی نے چین کا سانس لیا اور اُٹھ کر پانی لینے چلی گئیں۔ داؤد نے آتے ہی ابو کو اسماعیل کے پرندوں کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی پرندے خریدنے کی فرمائش بھی کر دی۔

''بیٹا! اللہ پاک نے تمام مخلوقات کو آزاد پیدا کیا ہے۔ جس طرح ہم انسان غلامی کی بجائے آزادی کو پسند کرتے ہیں بالکل اسی طرح پرندوں کو بھی آزاد فضاؤں میں اڑنا پسند ہے، انھیں بھی قید پسند نہیں ہے۔'' داؤد کے ابو نے پانی پیتے ہوئے داؤد کو سمجھایا۔

دوستی

شاہ رخ گل۔ سیالکوٹ

’’مگر ابو!؟‘‘

’’ٹھیک ہے آپ کو پرندے چاہییں تو مل جائیں گے، مگر اس سے پہلے آپ مجھے ایک سوال کا جواب دیں۔

اگر میں یا کوئی اور آپ کو ایک کمرے میں بند کر دیں اور آپ کو اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو آپ کو کیسا لگے گا؟‘‘

داؤد یہ سوال سن کر کچھ دیر خاموش ہو گیا، پھر بولا:

’’ابو! لیکن مجھے پرندے بہت پسند ہیں۔‘‘

’’بیٹا! آپ کو پرندے پسند ہیں، مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ انھیں قید کر لیں۔‘‘

’’تو پھر ابو! میں انھیں کیسے دانہ ڈالوں جیسے اسماعیل ڈالتا ہے۔‘‘ داؤد نے معصوم سے چہرہ بناتے ہوئے پوچھا۔

’’میرے پاس اس کا ایک حل ہے۔ آپ پرندوں کو قید بھی نہیں کرو گے اور روز اُنھیں دانہ پانی بھی ڈال سکتے ہو۔‘‘

کچھ دیر سوچنے کے بعد داؤد کے ابو نے کہا۔

’’وہ کیسے؟ جلدی بتائیں نا ابو!‘‘

’’ہم خوب صورت پرندوں کو خرید کر قید کرنے کی بجائے نرسری چلتے ہیں، وہاں سے چھوٹے بڑے پودے اور درخت لا کر اپنے باغیچے میں لگاتے ہیں، ان پر پرندے اپنا گھر بنائیں گے، اس طرح آپ کو پرندوں کو قید بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

آپ اپنے باغیچے میں پرندوں کے کھانے اور پانی کے لیے برتن رکھ دینا اور اِسکول جانے سے پہلے اور واپسی پر آپ ان برتنوں میں پانی اور دانہ ڈال دیا کرنا۔ ایسا کرنے سے نہ صرف آپ کی پرندوں سے دوستی ہو جائے گی، بل کہ پودے اور درخت لگانے سے ماحول پر بھی خوش گوار اثر پڑے گا۔‘‘

’’ابو! یہ خیال تو بہت ہی اچھا ہے۔‘‘ وہ خوشی سے چہکا۔

پھر چھٹی کے دن داؤد اپنے ابو کے ساتھ نرسری گیا اور بہت سے چھوٹے بڑے، رنگ برنگے پھولوں والے پودے اور درخت لا کر باغیچے میں لگوا دیے۔

اب داؤد اِنتظار میں ہے کہ کب اس کے پودے بڑے ہوں اور اُن پر پرندے آ کر بیٹھیں، پھر وہ ان سے دوستی کرے۔

بقیہ: جنت کی روش

’’وہ اس لیے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی، وہ مسلسل جنت کی روش میں رہا۔‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

’یارسول اللہ! جنت کی روش کیا چیز ہے؟‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’اس کے پھل جنھیں وہ چنتا ہے۔‘ (مفہوم حدیث: صحیح مسلم، 6554)

اب سوچو! حسن کے ساتھ، میں اور تمھاری امی تو جنت کے بہترین پھلوں کو چُنیں گے اور تم ہمیشہ کی طرح، حسن سے حسد کی وجہ سے اس کی عیادت نہ کرنے کی بنا پر محروم رہ جاؤ گے۔‘‘

خاور صاحب نے مسکرا کر کہا اور پھر حمزہ کو سوچوں میں گم دیکھ کر وہاں سے چلے گئے۔

’’حمزہ پر آپ کی بات کا اثر ہو گا؟‘‘

راستے میں رابعہ بیگم نے فکر مندی سے پوچھا۔

’’حمزہ ذہین بچہ ہے، وہ ہر بات کی تہ میں اترتا ہے۔ ان شاء اللہ! وہ حدیث مبارک کی روشنی میں ضرور نیکی کی راہ پر چلے گا۔‘‘

خاور صاحب نے یقین سے کہا تو رابعہ بیگم نے بھی دل سے دعا کی۔

وہ دونوں پچھلی گلی میں موجود جب حسن کے گھر پر پہنچے تو حسن کے پاؤں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

خاور صاحب اور رابعہ بیگم ابھی آ کر بیٹھے ہی تھے کہ ان کے پیچھے پیچھے حمزہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھ میں اسٹرابریوں اور سیبوں سے بھری ٹوکری پکڑی ہوئی تھی۔

’’ارے یہ پھل اٹھا کر یہاں کیوں لے آئے ہو؟‘‘

رابعہ بیگم نے حیرت سے سوال کیا تو حمزہ نے ٹوکری حسن کی طرف بڑھائی۔

حسن نے حیران ہوتے ہوئے جلدی سے ٹوکری تھام لی۔

’’اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ دونوں کے ساتھ جنت کے پھل چنوں۔‘‘

حمزہ نے سنجیدگی سے کہا تو خاور صاحب نے فخریہ انداز میں رابعہ بیگم کی طرف دیکھا جو حیرانی سے حمزہ کو حسن سے گلے ملتے دیکھ رہی تھیں۔

رہو بچّو! ہر آن پب جی سے دور

ارسلان اللہ خان۔حیدرآباد

میری ایک یہ بات مانو ضرور
رہو بچّو! ہر آن پب جی سے دور

سنو ، جس کو پب جی کا چسکا لگا
نہ احساس رہتا اُسے وقت کا

نہ سمجھو ، ہے پب جی فقط ایک کھیل
یہ جادو ہے ، سایہ ہے یا ہے چڑیل

ہے پب جی حقیقت میں ایسا عذاب
جو بچّوں ، بڑوں ، سب کو کردے خراب

نشہ ، بدتمیزی ، جہالت ، بگاڑ
یہ لاتا ہے رشتوں میں اکثر دراڑ

یہ کرتا ہے ہر شخص پر ایسا وار
کہ بن کھیلے پب جی نہ آئے قرار

کرائے ہیں پب جی نے وہ حادثات
ہیں اخبار میں درج سب واقعات

نہ ایسا ہو ، پب جی میں ہوجاؤ گُم
ابھی وقت باقی ہے ، بچ جاؤ تم

نہ یوں وقت پب جی پہ ضائع کرو
ارے تم تو شاہینِ اقبالؒ ہو

ہے پب جی جبھی تو بنایا گیا
کہ برباد ہو امتِ مصطفیٰ (ﷺ)

نبی پاک کے ہیں جو سچے غلام (ﷺ)
وہ ہرگز نہیں کرتے لایعنی کام

کہے تم سے جو پب جی کھیلو ضرور
اُسی وقت ہوجاؤ تم اُس سے دور

مرا رب تمھاری حفاظت کرے
کہ ہوجائے پب جی سے نفرت تمھیں

یہی ارسلاںؔ کی ہے دائم دعا
تُو پب جی سے یارب! سبھی کو بچا

۸۔ اسحاق اخرس

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

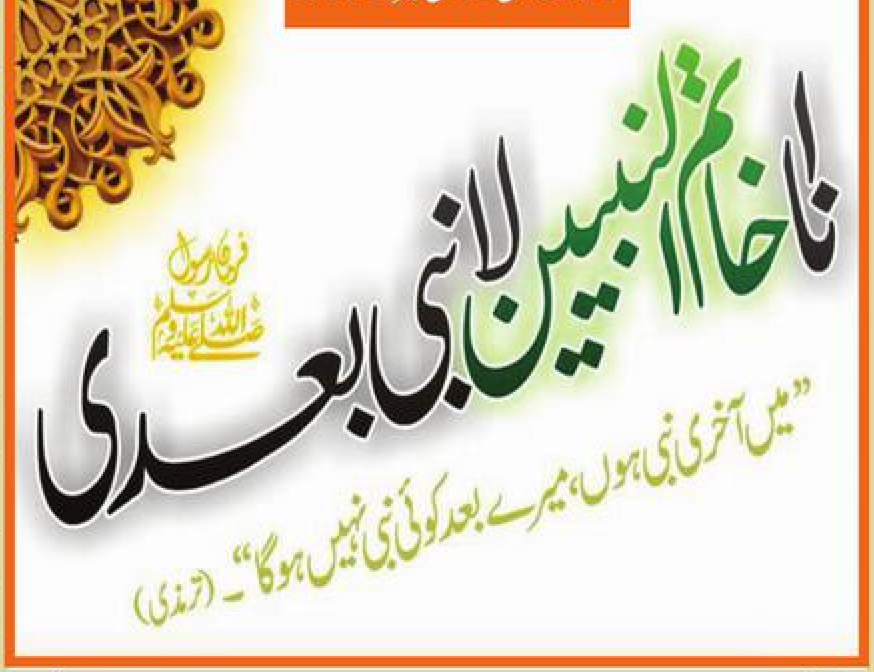

صبح نماز کے وقت مسجد پوری طرح بھر چکی تھی۔ حاکم شہر اور قاضی صاحب بھی وہیں موجود تھے، مگر اِسحاق اخرس وہاں موجود نہیں تھا۔

سب لوگوں کی نگاہیں اسے ہی تلاش کر رہی تھیں، مگر وہ مسجد میں موجود نہ تھا۔ خیال تھا کہ وہ نماز کے وقت آجائے گا، مگر وہ نماز کے وقت بھی نہ آیا۔

نماز مکمل کر کے سب لوگ اس کے کمرے کی طرف بڑھے۔ صدر مدرس، قاضی صاحب اور حاکم شہر بھی ان سب میں موجود تھے۔

اسحاق اخرس کے کمرے سے تلاوت کی آواز آرہی تھی۔ وہ رات کی طرح اس وقت بھی بڑی خوش کن آواز میں تلاوت کر رہا تھا۔ لوگوں نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بند تھا۔

قاضی صاحب نے دروازہ بند دیکھ کر دستک دی۔ اسحاق اخرس نے تلاوت روک کر پوچھا:

''کون ہے؟''

قاضی صاحب نے جواب دیا:

''حضرت والا! دروازے پر بہت سے لوگ آپ کا دیدار کرنے کے لیے موجود ہیں۔ آپ کو اُس اللہ کا واسطہ جس نے آپ کو کرامت عطا کر کے ولی بنایا ہے! دروازہ کھولیں اور لوگوں کو اپنا دیدار کروائیں۔''

یہ سن کر اِسحاق اخرس نے بہت ہی پُراسرار انداز میں کہا:

''اے تالے! کھل جا اور انھیں اندر آنے دے۔''

فوراً ہی تالا کھل گیا۔ اس کے پیچھے بھی اسحاق کی کوئی شعبدہ بازی چھپی ہوئی تھی۔ لوگ بغیر ہاتھ لگائے تالا کھلنے پر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کا اسحاق اخرس سے ملنے کا ذوق اور بھی بڑھ گیا۔ دروازہ کھلنے پر لوگ اس کے گرد ادب سے بیٹھ گئے۔

قاضی صاحب نے اس سے نہایت عقیدت سے کہا:

''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سارا شہر آپ پر ہونے والی رحمت سے حیران ہے۔ اگر آپ اس راز سے پردہ اٹھا دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔''

اسحاق تو مدتوں سے اسی انتظار میں تھا۔ اس نے دس سال گونگا رہنے کی محنت اسی لیے کی تھی۔

گونگا بنا رہنا واقعی ایک محنت طلب کام ہے۔ اگر کہیں کوئی کانٹا وغیرہ چبھ جائے تو بے اختیار ہی آواز نکل جاتی ہے۔ کسی غیر معمولی کام پر 'اوہ' اور 'اف' جیسے الفاظ بھی بے اختیار نکل ہی جاتے ہیں، مگر اِسحاق کے منہ سے تو کبھی کسی نے ایسی کوئی بات بھی نہیں سنی تھی۔ آج اس کی محنت وصول ہونے جا رہی تھی۔ اس نے کہنا شروع کیا:

''میرے ساتھ یہ واقعہ آج ہی پیش نہیں آیا۔ گزشتہ چالیس روز سے ہی مجھے عجیب وغریب قسم کی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ پہلے پہل تو میں گھبرایا، مگر میں اپنی گھبراہٹ کس سے بیان کرتا۔ دھیرے دھیرے میرے دل پر الہام (اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا خود بخود واضح ہو جانا) ہونے لگا اور کل رات......''

اسحاق بات کرتے کرتے رک گیا، جیسے ایک لمحے کے لیے وہ اس چیز کو محسوس کرنا چاہتا ہو۔ لمحے بھر کے وقفے کے بعد اُس نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا:

''کل رات تو شام سے ہی مجھے اللہ میاں کی فضیلت دکھائی دینے لگی تھی۔ میں اگر چاہوں بھی تو وہ کیفیات بیان نہیں کر سکتا۔

اگر میں آپ لوگوں کے سامنے اس کی کیفیت بیان کروں تو آپ فوراً مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گے۔''

اسحاق نے پھر ایک چھوٹا سا وقفہ کیا اور سب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کہنے لگا:

''خیر میں تھوڑی سی بات تو بتا ہی دیتا ہوں۔ کل رات اچانک میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھ سے کہنے لگے:

'اسحاق! آج ہم تمھیں حوض کوثر کے پانی سے غسل کروائیں گے۔'

پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لائے ہوئے پانی سے نہلانے لگے اور کہنے لگے:

'السلام علیک یا نبی اللہ۔' (استغفر اللہ)

میں نے جب ان کی بات سنی تو پریشان ہوگیا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر اُن میں سے ایک کہنے لگا:

'اے نبی! اپنا منہ کھولیں اور یہ چیز کھالیں۔'

میں نے ان کی دی ہوئی چیز کھالی۔ وہ چیز کیا تھی؟ مجھے نہیں معلوم، کیوں کہ میں نے وہ چیز پہلے کبھی نہیں کھائی تھی۔ بہر حال، وہ چیز جو بھی تھی بہت ہی مزے دار تھی۔''

اسحاق نے ایک اور چھوٹا سا وقفہ لیا، جیسے اس چیز کے ذائقے کو اپنے منہ میں محسوس کر رہا ہو۔ سب دم بخود اس کی واہیات سن رہے تھے۔ اسحاق نے مزید ہرزہ سرائی شروع کی:

''وہ چیز شہد سے زیادہ میٹھی، مشک سے زیادہ خوش بودار اور برف سے زیادہ ٹھنڈی تھی۔ جیسے ہی وہ چیز میرے حلق سے نیچے اتری مجھ پر پوری دنیا واضح ہوگئی۔ میں نے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

کلمہ سن کر اُن فرشتوں نے کہا:

'اسحاق! تم بھی نبی ہو جیسے محمد ﷺ نبی ہیں۔''

میں نے ان کی بات سن کر حیرت سے پوچھا: 'اے فرشتو! اللہ میاں نے محمد ﷺ پر نبوت ختم کر دی ہے، پھر بھلا میں کیسے نبی ہوا؟'

فرشتے نے میرا سوال سن کر جواب دیا:

'تم نے بالکل درست کہا، پر اُن کی نبوت مستقل نبوت ہے اور تمھاری نبوت ظلی اور بروزی نبوت ہے۔''

(آج کل کے قادیانی بھی ظلی اور بروزی نبوت کے قائل ہیں۔ انھوں نے یہ اصطلاح اسحاق اخرس سے لی ہے۔)

اسحاق اخرس نے اپنی بات جاری رکھی اور اُن معصوم لوگوں کو اپنی من گھڑت کہانی میں معجزوں کا مزید تڑکا لگا کر سنانے لگا:

''جب فرشتوں نے مجھے کہا کہ میں ظلی اور بروزی نبی ہوں تو میں نے ان سے کہا:

'بھئی، یہ نبوت کا دعویٰ تو میرے لیے بہت ہی مشکل کام ہے۔'

فرشتوں نے میری بات سن کر پوچھا:

'کیوں؟ یہ کام کیوں کر مشکل ہوا؟'

میں نے انھیں جواب دیا:

'چوں کہ میرے پاس کوئی معجزہ نہیں ہے اس لیے یہ نبوت کا دعویٰ کرنے کا کام مشکل ہے۔'

فرشتوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا:

'لو بھلا، یہ کیا بات ہوئی! وہ اللہ جس نے آپ کو گونگا پیدا کیا تھا، اس نے نبوت دینے کے بعد آپ کو زبان سے بولنے کی طاقت دے دی ہے۔ وہ خود ہی لوگوں کے دلوں میں آپ کی لیے محبت پیدا کرے گا اور لوگ دل و جان سے آپ کی تصدیق کریں گے، یہاں تک کہ زمین و آسمان بھی آپ کے ہونے کی گواہی دیں گے۔''

......(جاری ہے)......

بقیہ: سیرت کہانی

ابوجہل، امیہ کے پاس آیا اور چلنے کے لیے اصرار کیا۔ ابوجہل نے جب یہ دیکھا کہ امیہ چلنے پر تیار نہیں ہے تو کہا کہ آپ سردار ہیں، اگر آپ نہیں نکلیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ غرض ابوجہل، امیہ سے اصرار کرتا رہا، بالآخر ابوجہل نے کہا:

''ابوصفوان! تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز رفتار گھوڑا خریدوں گا۔''

(تاکہ جیسے ہی جان کا خطرہ محسوس ہو واپس بھاگ آئے۔) چناں چہ امیہ تیار ہوگیا اور گھر میں جا کر اپنی بیوی سے کہا:

''میرے سفر کا سامان تیار کردو۔''

بیوی نے کہا:

''ابوصفوان! تمھیں اپنے مدینے والے دوست کی بات یاد نہیں رہی؟!''

امیہ نے کہا:

''میرا ارادہ تھوڑی دور تک جانے کا ہے، پھر واپس آجاؤں گا۔''

امیہ اسی ارادے سے روانہ ہوا۔ جس منزل پر اُترتا اپنا اونٹ ساتھ باندھتا، لیکن قسمت نے بھاگنے کا موقع نہیں دیا، بدر پہنچا اور میدان جنگ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قتل ہوا۔

......(جاری ہے)......

کالو اور بھورو

حسن آرا۔ ملک وال

پیارے بچو!

یہ کہانی ہے دو بندر دوستوں کی۔ ایک کا نام کالو تھا، جب کہ دوسرے کا نام بھورو تھا۔ کالو اور بھورو، دونوں بہت اچھے دوست تھے۔ کافی دن بعد بھورو آج کالو بندر سے ملنے جا رہا تھا۔

کالو جنگل کے آخر میں ایک درخت پر رہتا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد کالو کا ٹھکانا اسے ملا۔ بھورو نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کیلوں کے تھیلے زمین پر رکھ دیے اور درخت کے موٹے تنے کو ہلانے لگا، کیوں کہ کالو دن چڑھے بھی سو رہا تھا۔

کافی دیر گزر گئی، لیکن کالو کی آنکھ نہ کھلی۔

بھورو نے دوبارہ تنے کو ہلایا۔

اس مرتبہ اس نے خوب زور سے ہلایا تو کالو کو لگا کہیں زلزلہ تو نہیں آگیا، وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل رہا تھا۔ لگتا تھا وہ خوب گہری نیند سے اٹھا ہے۔

’’السلام علیکم کالو بھیا! کیا بات ہے، ابھی تک آنکھیں نہیں کھل رہیں!؟‘‘

بھورو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

’’اوہ، اوہ! تم...... بھورو! میرے پیارے اور سب سے اچھے دوست! آؤ آؤ۔ معاف کرنا، میں ذرا سو رہا تھا اور تمھیں انتظار کرنا پڑا۔‘‘

بھورو نے ایک درخت کے ساتھ لٹکے گھڑیال کو دیکھا جس پر دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔

’’بھلا یہ کون سا سونے کا وقت ہے کالو! تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!؟‘‘

بھورو نے حیرت سے پوچھا۔

’’آں ہاں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ بس، رات کو سوتے سوتے دیر ہوگئی تھی۔‘‘

کالو نے ایک بڑی سی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

بھورو نے سر ہلا دیا۔ وہ کچھ دن اس کے ساتھ رہنے آیا تھا، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ تو کالو کا روز کا معمول تھا۔ وہ ہر رات دیر تک کھیلتا رہتا اور بہت دیر سے سوتا تھا، پھر دن چڑھے بھی بہت مشکل سے اُٹھتا تھا، جس کی وجہ سے اُسے جسمانی کمزوری بھی تھی۔

''کالو! تم بہت سست ہو گئے ہو اور موٹے بھی!''

بھورو نے فکر مندی سے کہا۔

''جی نہیں، یہ دیکھو، میں کتنی تیزی سے درخت سے نیچے آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر کالو نے تیزی سے اُترنے کی کوشش کی، لیکن اسے اپنی ٹانگوں میں درد اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بہت اونچائی سے گھاس پر آ گرا۔ اسے کافی چوٹ آئی۔

''ارے، ارے دوست! اس عمر میں ہی تم تو کمزور ہو گئے۔ ابھی تو تمھارے اچھلنے کُودنے کے دن ہیں۔''

بھورو نے پیار سے کہا اور اُسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو میں ایسا نہیں تھا۔''

کالو نے اپنے زخموں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب مجھے ہر وقت بھوک لگتی رہتی ہے اور نیند بھی آتی رہتی ہے۔''

کالو نے مزید بتایا۔

''پیارے دوست! تم نے اپنا معمول خراب کر کے اپنا نقصان کر لیا ہے۔ تم رات دیر تک جاگتے ہو اور دن بھر سوتے ہو۔ یہ طریقہ کار بہت غلط ہے۔''

بھورو نے اس کے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے کہا۔

''اب مجھے کیا کرنا چاہیے کہ میں پہلے جیسا ہو جاؤں؟''

کالو نے پوچھا۔

''اگر تم روزانہ رات کو جلدی سو جاؤ اور صبح جلدی اٹھو تو تمھاری ساری سستی اور کمزوری دور ہو جائے گی۔''

''اچھا! کیا واقعی!؟''

کالو نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، اور تمھاری ہر وقت کی بھوک بھی ختم ہو جائے گی۔''

پھر سارا دن دونوں دوست جنگل میں گھومتے اور کھیلتے رہے۔ رات ہوئی تو بھورو نے کالو سے کہا:

''چلو آؤ، اب سوتے ہیں، رات ہو گئی ہے۔''

یہ کہہ کر بھورو اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

کالو آج جلدی سو گیا۔ صبح کالو، بھورو کے ساتھ ہی اُٹھ گیا۔ ان دونوں نے ورزش کی اور خود کو تازہ دم محسوس کیا۔ اب تو کالو نے رات جلدی سونے اور صبح جلدی اُٹھنے کا معمول بنا لیا تھا۔ اب کالو کی سستی دور ہو چکی تھی اور وہ خود کو بہت بہتر محسوس کرتا تھا۔ بھورو جب واپس جانے لگا تو کالو نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

پیارے دوستو!

کیا آپ بھی کالو کی طرح رات دیر سے سونے کے عادی ہیں؟

اگر ایسا ہے تو آپ کو بھی کالو کی طرح اپنا معمول بدلنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہی رہا تو نہ صرف آپ سست ہو جائیں گے، بل کہ اپنے روزانہ کے کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکیں گے۔

چلیے! آج سے عہد کیجیے کہ آپ اچھے بچوں کی طرح رات کو جلدی سوئیں گے اور صبح کی ورزش کو اپنا معمول بنائیں گے۔

بقیہ: اپنے ہاتھ سے

یہ ٹھیلا بھی دراصل تمھارے لیے ہی ہے۔ دیکھو، محنت میں کوئی شرم، کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے:

''کسی آدمی کے لیے اس سے بہتر کوئی روزی نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھائے۔''

(بخاری، ۲۰۷۲)

اب تم اس ٹھیلے پر کھڑے ہو اور محنت اور ایمان داری سے حلال روزی کماؤ۔''

تشکر کے جذبات سے سلمان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میری آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

میتھی دانہ

سعد علی چھیپا۔کراچی

صدیوں سے بطورِ غذا اور دیگر فوائد حاصل کرنے کے لیے استعمال ہونے والا میتھی دانہ صحت کے لیے انتہائی اہم ہے۔اس کے استعمال سے قوت مدافعت مضبوط ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں موسم سرما میں وائرل بیماریوں سمیت کینسر جیسی خطرناک بیماریوں سے بچنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

میتھی دانے میں موجود وٹامنز اور منرلز کے لحاظ سے سو گرام کی مقدار میں اس میں 9 فی صد فیٹ، 7 فی صد سیچوریٹڈ فیٹ، 60 ملی گرام سوڈیم، 770 ملی گرام پوٹاشیم، 58 گرام کاربوہائیڈریٹس، 25 گرام ڈائیٹری فائبر اور 23 گرام پروٹین پایا جاتا ہے۔

میتھی دانے کے دیگر فوائد:

☆ میتھی دانے کا جوشاندہ حلق، سینہ اور پیٹ کو نرم کرتا ہے۔ کھانسی اور تنگی تنفس کو دور کرتا ہے، سینے کے لیس دار بلغم کو تحلیل کر کے باہر نکالتا ہے۔

☆ میتھی دانہ پیٹ کے پھوڑوں اور پھیپھڑے کی بیماریوں میں نافع ہے۔

☆ میتھی دانہ دل کے حملے کی صورت میں پہنچنے والے شدید نقصانات سے دل کو محفوظ بناتا ہے اور دباؤ کو کم کرتا ہے۔

☆ میتھی دانے کا استعمال جسم میں موجود چربی کو کم کرتا ہے۔

☆ میتھی دانے کا تیل کینسر کے مریضوں کے لیے انتہائی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ یہ تیل ایسے اجزا پر مشتمل ہوتا ہے جو کینسر کے خلیوں کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور قدرتی چیز ہونے کی وجہ سے اس کے مضر اثرات بھی نہیں ہوتے۔

☆ میتھی دانہ جسم میں موجود خراب کولیسٹرول کی سطح کو کم کرنے کے حوالے سے بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

☆ میتھی دانہ پانی میں شامل کر کے پینے سے ہارمونز کی بے ترتیبی درست ہوجاتی ہے۔

☆ میتھی دانے کا پیسٹ بنا کر استعمال کرنے سے بلیک ہیڈز ختم ہوجاتے ہیں۔

☆ میتھی دانے کے پانی کو بالوں کی جڑوں میں لگانے سے بالوں کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور بال گھنے ہوتے ہیں۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

سائرہ شاہد۔ڈیرہ اسماعیل خان

انوکھا بھیڑیا

سردی بڑھی تو پہاڑوں نے برف کی چادر اُوڑھ لی۔

قدرت کے یہ خوب صورت مناظر دیکھنے کے لیے حارث اور عروج نے ان پہاڑوں کی سیر کرنے کی فرمائش کی اور امی ابو نے انھیں پہاڑوں پر لے جانے کی ہامی بھر لی۔ وہاں جا کر امی، ابو اور حارث نے خیمہ لگایا، جب کہ عروج بند جوتے اور سُرخ اسکارف پہنے سردی سے کانپ رہی تھی۔ حارث نے اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا:

”واہ میری بہنا! تمھارا کیا کہنا! ابھی سے سردی لگ گئی؟“

عروج نے جواب دیا:

”انسانوں کو سردی ہی لگتی ہے میرے غیر انسان بھائی!“

ان کی باتیں سن کر امی ابو بھی مسکرانے لگے۔

”ابو جی! میں اور عروج مل کر لکڑیوں کا بندوبست کرتے ہیں، تاکہ آگ جلائیں اور میری بہن کڑوی آئس کریم بننے سے بچ جائے۔“

حارث کی بات پر جہاں امی نے اسے گھورا وہیں عروج نے حارث کی کمر پر دھموکا جڑ دیا۔

”دس سال کے ہو چکے ہو، پھر بھی پتا نہیں ہے کہ آئس کریم میٹھی ہوتی ہے۔“

امی ابو نے ان دونوں کو جلدی واپس آنے کی نصیحت کر کے جانے کی اجازت دے دی تو عروج نے جلدی سے اپنا سامان اٹھایا اور اپنے ایک پرس میں اپنی چیزیں ڈال کر اُسے کندھے سے لٹکا لیا۔ وہ دونوں لکڑیوں کی تلاش میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

”یہ پوٹلی کس لیے لی ہے؟“

راستے میں حارث نے دو اُنگلیوں سے پرس کو چھو کر پوچھا تو عروج نے جواب دیا:

''یہ پوٹلی نہیں، بل کہ میرا پرس ہے، جس میں میرے چپس اور چاکلیٹ وغیرہ چیزیں ہیں۔''

اس کا جواب سُن کر حارث نے منہ بگاڑا اور پوچھا:

''یعنی لکڑیاں میں تلاش کروں گا اور تم کرو گی پیٹ پوجا؟''

عروج نے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا:

''جی، بالکل ایسا ہی کروں گی، جاؤ تم اپنا کام کرو۔''

عروج کی اس بات پر حارث وہاں سے دور بھاگ گیا، جب کہ عروج اس کے پاؤں کے نشان دیکھنے لگی جو چاند کی روشنی میں ایک خوب صورت منظر پیش کر رہے تھے۔ اتنے میں حارث واپس آیا اور کچھ لکڑیاں عروج کے سامنے ڈال دیں۔

''یہ لو، میں باقی بھی لے کر آتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے دیکھا کہ عروج مزے سے نمکو، چپس اور چاکلیٹ کھا کر اُن کا کچرا وہیں پھینک رہی ہے۔ وہ دوبارہ بھاگ کر اُسی طرف گیا جہاں سے آیا تھا۔ ابھی حارث کو گئے کچھ منٹ ہی گزرے تھے کہ عروج کو ایک آواز سنائی دی۔ وہ ڈر کے مارے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اچانک اسے ایک چھوٹے سے درخت کے پیچھے کچھ نظر آیا۔ ڈر کے مارے اس کا حلق خشک ہو گیا اور جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کک.....کون ہے وہاں؟''

عروج نے آواز لگاتے ہوئے ایک لکڑی اٹھائی اور اُسے لاٹھی کی طرح گھمایا تو اُسے ایک خوف ناک بھیڑیا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ عروج پہلے بہت ڈر گئی، لیکن وہ بھیڑیا چھوٹا سا تھا، اس لیے اس کا ڈر کچھ کم ہوا۔ اس نے سوچا:

''لگتا ہے بھیڑیے کا بچہ ہے، اسے ضرور بھوک لگ رہی ہو گی۔ اللہ جی! پلیز پلیز، یہ مجھے نہ کھائے، میں اسے اپنی چیزیں کھلا کر اس کی بھوک ختم کر دوں گی۔''

عروج دل ہی دل میں دعا کرنے لگی اور ایک چاکلیٹ اس کی طرف پھینک دی۔ بھیڑیا وہیں بیٹھ گیا اور اپنی اگلی ٹانگوں سے چاکلیٹ کھول کر کھانے لگا۔ عروج اسے چاکلیٹ کھاتے دیکھ کر خوش ہو گئی اور اُسے نمکو اور چپس بھی کھلانے لگی۔ بھیڑیے نے سب کچھ لیا اور ساری چیزوں کے پیکٹ ایک جگہ رکھتا گیا۔ عروج نے حیرت سے سوچا:

''اتنا انوکھا اور سمجھ دار بھیڑیا ہے، میری طرح چیزیں کھا کر کچرا اِدھر اُدھر نہیں پھینک رہا، بل کہ آرام سے رکھ رہا ہے۔''

بھیڑیے نے سب کچھ کھا کر انگڑائی لی تو عروج نے بڑی توجہ سے اسے دیکھا۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو میری بہنا!؟''

بھیڑیے کی طرف سے آواز آئی تو حیرت سے عروج کی آنکھیں رہ گئیں اور بھیڑیا اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی کھال اتاری اور اندر سے حارث نکل آیا۔

''میری بھولی ڈرپوک بہن! اپنی ساری چیزیں مجھے کھلا دیں!''

حارث نے ہنستے ہوئے کہا تو صدمے کے مارے عروج کے منہ سے کچھ نکلا ہی نہیں۔ وہ بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر زور زور سے رونے لگی۔

''ارے ارے بہنا! سوری میری بہنا! میں نے تمھیں ڈرا دیا۔ یہ دیکھو، کان پکڑ کر معافی مانگ رہا ہوں۔''

حارث اس کی طرف بھاگا آیا اور جلدی سے اپنے کان پکڑ لیے۔ اس کے قریب آتے ہی عروج نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کان پکڑ کر مروڑے اور بولی:

''بھیڑیا بننے کا بہت شوق ہے؟ آؤ، میں تمھیں بھیڑیا بناتی ہوں۔''

حارث زور سے چلایا:

''پیاری بہن! معاف کر دو۔ تم ساری چیزوں کے پیکٹ نیچے ڈال کر کچرا پھیلا رہی تھیں، بس میں یہی سمجھانا چاہتا تھا کہ کچرا پھیلانا اچھی بات نہیں ہے۔ اف اف! اب تو چھوڑو نا!''

یہ سُن کر عروج نے اس کے کان چھوڑے اور کہا:

''چلو معاف کیا اور آئندہ یاد رکھنا، میں جب بھی کوئی غلطی کروں تو تم بھائی بن کر سمجھا دینا، بھیڑیا بن کر مت سمجھانا۔''

عروج کی بات سُن کر حارث نے جلدی سے سر ہلایا۔ عروج نے چپس، چاکلیٹ اور نمکو کے سارے پیکٹ اکٹھے کیے اور پرس میں ڈالے، جب کہ حارث نے لکڑیاں اٹھائیں، تاکہ خیمے کے قریب آگ جلائی جاسکے۔ کچھ منٹ بعد ہی وہ دونوں اپنی باتوں اور شرارتوں کے ساتھ خیمے تک پہنچے اور امی ابو اُنھیں آتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔

فاتح کون ۲

میرے حکم کی تعمیل کرو

۱۱

نذیر انبالوی۔ لاہور

''یہ تو مجھے حرام لگ رہا ہے، یہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

جھوٹ نے ''حرام'' کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر غصے اور بے ایمانی کو مخاطب کیا۔

''ممکن ہے ملکہ بدی کا کوئی پیغام لے کر آیا ہو۔''

بے ایمانی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

چند لمحوں بعد حرام ان تینوں کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے انھیں بغور دیکھتے ہوئے کہا:

''میں تمھیں لینے آیا ہوں، ملکہ بدی نے تم سب کو اپنے دربار میں بلایا ہے۔ اٹھو، چلو میرے ساتھ۔''

''ملکہ بدی کو ہماری یاد آ ہی گئی۔ لگتا ہے بدکلامی اور نفرت نے ملکہ بدی کو مایوس کیا ہے۔ چلو چلتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ ملکہ بدی اب ہمیں کیا حکم دیتی ہیں۔''

غصے نے اپنے غصے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ملکہ عالیہ نے ہمیں یاد کیا ہے، اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

جھوٹ بھی بول پڑا۔

''جھوٹ نے ٹھیک کہا ہے، ملکہ بدی کا ہمیں دربار میں بلانا اعزاز سے کم نہیں۔ چلو، حرام کے ساتھ چلتے ہیں۔''

بے ایمانی کی بات سن کر غصہ خاموش ہی رہا، وہ ابھی تک غصے میں تھا۔

جب وہ ملکہ بدی کے دربار میں پہنچے تو ملکہ نے خود آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ غصے کا چہرہ ابھی تک غصے کے مارے سرخ تھا۔ ملکہ بدی نے غصے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر بولی:

''غصے کا غصہ کرنا جائز ہے، اسے قید میں جو ڈالا گیا تھا۔ دراصل تم تینوں کی ناکامی نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم منہ لٹکائے، ناکامی کو ساتھ لیے میرے سامنے آ ؤ گے، لیکن اب جب کہ بدکلامی اور نفرت بھی ناکام ہو کر واپس آ چکی ہیں تو میں نے سوچا کہ جب یہ بھی ناکام واپس آئی ہیں تو تم تینوں کو قید خانے میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں، لہٰذا اب تم تینوں آزاد ہو۔''

''مجھے یہ آزادی قبول نہیں! اگر مجھے بدی پورہ میں فارغ ہی بیٹھنا ہے تو اس سے اچھا ہے کہ مجھے دوبارہ قید خانے ہی میں ڈال دیا جائے۔'' غصہ بولتا چلا گیا۔

''ملکہ عالیہ! غصے کی بات میں وزن ہے۔ اگر ہمیں بدی پورہ ہی میں رہنا ہے تو پھر ہم تینوں قید خانے میں ہی ٹھیک ہیں۔ ہمیں ایک موقع اور چاہیے، اس مرتبہ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے، صرف ایک موقع۔''

جھوٹ کی بات سن کر بے ایمانی نے بھی اس کی تائید کی۔ ملکہ بدی

کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی کہ ایک دھما کا سا ہوا۔ دربار میں موجود تمام بُرائیاں گھبرا گئیں۔ جب دھواں چھٹا تو شرشر کا قہقہہ اور یہ الفاظ سنائی دیے:

''میں شرشر ہوں، شیطان ابن شیطان۔ کوئی انسان اور نیکی مجھ سے بچ نہ پائے گی، ایک ایک کو میں اپنے راستے پر چلاؤں گا۔ آؤ میرے ساتھ، پکڑلو میرا ہاتھ۔''

الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے منہ سے شعلے سے لپک رہے تھے۔ دربار میں موجود ہر بدی کی نظر شرشر پر تھی۔ ملکہ بدی نے شرشر کو گھورا۔

''میری اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے ہل نہیں سکتا۔ جاؤ یہاں سے، ان بُرائیوں کو تمھاری ضرورت نہیں۔ یہ خود بہت طاقت وَر ہیں، نیکیوں کا مقابلہ کرنا انھیں خوب آتا ہے۔''

ملکہ بدی کی بات سن کر شرشر نے منہ سے شعلے بلند کرتے ہوئے کہا:

''میں آگ ہوں آگ، میں شیطان ابن شیطان ہوں، میں بُرائیوں کے ساتھ رہوں گا تو اُن کی طاقت مزید بڑھ جائے گی۔ انھیں میرے ساتھ جانے دو، اسی میں بدی پورہ کا فائدہ ہے۔ آجاؤ بُرائیو! میرے ساتھ، ہم سب مل کر نیکی نگر والوں کا مقابلہ کریں گے۔''

شرشر کے جوشیلے خطاب کے بعد غصے نے ذرا سی حرکت کی تو ملکہ بدی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آگے مت بڑھو، ہمیں شرشر کی مدد کی ضرورت نہیں، ہم اکیلے میدان میں اتریں گے، ایک ایک نیکی کا مقابلہ کریں گے۔ شرشر صرف باتیں کرتا ہے۔ میری رعایا میں شامل ایک ایک بدی کی طاقت پر مجھے بھروسا ہے۔ جاؤ شرشر! یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میں تمھیں قید خانے میں ڈال دوں گی۔''

''قید خانہ! یہ اچھی کہی ملکہ عالیہ! بہت اچھی کہی۔ ابھی وہ قید خانہ نہیں بنا جس میں شرشر کو قید کیا جا سکے۔ یقیناً آپ کو میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے، تو پھر دیکھیے میں کتنا طاقت وَر ہوں، یہ دیکھیے۔''

شرشر یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس کے اردگرد آگ کا ہالہ بن گیا۔ یہ آگ مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔ شرشر نے آگ سے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور جھوٹ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ملکہ بدی چلائی:

''بچو، بچو۔''

اسی شور میں شرشر نے بہت سی بُرائیوں کو آگ میں کھینچ لیا۔

''میں شرشر کو سزا دلواؤں گی، میں شیطان اعظم سے رابطہ کروں گی، اس کی ایک ایک حرکت کے بارے میں بتاؤں گی۔ شرشر! دفع ہوجاؤ یہاں سے، میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

ملکہ بدی کی آواز اگرچہ بلند تھی، مگر لرزتی آواز ملکہ بدی کے خوف کی چغلی کھا رہی تھی۔ شرشر اس صورت حال سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آٹھ نو بُرائیاں آگ کے حصار میں جا چکی تھیں۔ آگ کی لپیٹ ملکہ بدی کے تخت کے قریب پہنچنے لگی تو شرشر زور سے چیخا:

''بس، رُک جاؤ، آگے مت بڑھو، آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ دیکھو، ملکہ بدی پسینے پسینے ہوگئی ہیں، اب اور مت ڈراؤ ملکہ بدی کو۔ بجھ جاؤ، آگے مت جاؤ۔''

آگ کے شعلے سرد ہوئے تو خوف زدہ جھوٹ، غصہ، بے ایمانی، حرام، ملاوٹ، بدکلامی، نفرت اور حسد کی صورت نظر آئی۔

''اٹھو اور اپنی ملکہ عالیہ کو تسلی دو، دیکھو تو کیسے ان کا چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ اٹھو، اپنی ملکہ عالیہ کا حوصلہ بڑھاؤ اور بتاؤ کہ ابھی تو یہ میرا ایک وار ہے، میں جب چاہوں یہاں آگ لگا دوں اور ہر چیز کو بھسم کر دوں۔''

شرشر نے مکروہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

تمام بُرائیاں ایک ایک کر کے ملکہ بدی کی طرف بڑھیں۔ شرشر کی آنکھوں سے ابھی تک شعلے سے لپک رہے تھے۔

''میں اب جا رہا ہوں، میں دوبارہ آؤں گا۔ اگر ملکہ بدی نے بدی پورہ میں بسنے والی بُرائیوں کو میرے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی تو میں انھیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔''

شرشر دھمکی دیتے ہوئے ملکہ بدی کے دربار سے رخصت ہوگیا۔

شرشر کے دربار سے چلے جانے کے باوجود ملکہ بدی سمیت ہر بدی خوف میں مبتلا تھی۔ غصے کا غصہ بھی اب کافی حد تک ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ ملکہ بدی خوف اور غصے کے ملے جلے انداز میں دربار میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ تمام بُرائیوں کی نظر اپنی ملکہ پر تھی۔ ملکہ بدی نے دربار میں ٹہلتے ہوئے ایک بڑے سے آئینے کو دیکھتے ہوئے کہا:

''شیطان اعظم! میں ملکہ بدی آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہوں، میں آپ کے دربار میں حاضر ہونا چاہتی ہوں، وقت عنایت کیجیے۔''

ملکہ نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ آئینے میں ایک بھیانک صورت نمودار ہوئی۔ یہ بھیانک صورت، شیطان اعظم تھا۔

’’آج صدیوں بعد میری یاد کیسے آگئی، میرا خیال ہے تم اس وقت مصیبت میں مبتلا ہو۔ ٹھیک ہے، ابھی آجاؤ میرے دربار میں، میں تمھارا منتظر ہوں۔‘‘

یہ الفاظ سن کر ملکہ بدی نے شیطان اعظم کے دربار میں جانے کی تیاری کی۔ اپنے ساتھ حسد، حرام، بے برکتی کو لیا، پھر ملکہ بدی کے دربار میں ایک شعلہ سا لپکا اور ملکہ بدی اپنی رعایا کے ساتھ شیطان اعظم کے دربار میں موجود تھی۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ وحشت اور خوف نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ ملکہ بدی نے دربار میں قدم رکھا تو آگ کے شعلوں نے اس کا استقبال کیا۔ ایک آواز گونجی:

’’ملکہ بدی! میں تمھیں اپنے دربار میں خوش آمدید کہتا ہوں، میں سامنے آیا تو تم اور تمھاری رعایا برداشت نہیں کر سکے گی، لہٰذا صرف میری آواز سنو اور بتاؤ، ہوا کیا ہے؟‘‘

’’شیطان اعظم! ہونا کیا ہے! ایک طرف نیکی نگر والوں نے میرا اور میری رعایا کا جینا حرام کر رکھا ہے، دوسری طرف شرشر نے بدی پورہ میں دھاچوکڑی مچا رکھی ہے، وہ مجھے اور میری رعایا کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔‘‘ ملکہ بدی کی زبانی شرشر کی کارستانی سن کر شیطان اعظم نے بلند آواز سے کہا:

’’شرشر کو ابھی اور اسی وقت دربار میں حاضر کیا جائے، ملکہ بدی کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی ہے۔‘‘

اسی لمحے ایک آگ کا لپکا باہر کی طرف بڑھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ واپس پلٹا اور ایک آواز دربار میں سنائی دی:

’’شرشر نے آنے سے انکار کر دیا ہے، اس نے اپنے گرد آتش کا حصار قائم کر رکھا ہے، میں اس حصار کو توڑ نہیں سکتی۔‘‘

’’شرشر نے اپنی موت کو آواز دی ہے، آتش کو دربار میں حاضر کرو۔‘‘ شیطان اعظم غرایا۔ اسی لمحے آگ کا لپکا دوبارہ باہر گیا۔ جب اس کی واپسی ہوئی تو ہر طرف آگ کے شعلے بلند تھے۔

’’شیطان اعظم! میں آتش حاضر ہوں، میرے لیے کیا حکم ہے؟‘‘ آتش نے سر جھکا کر نہایت عاجزی سے کہا۔

’’تم نے شرشر کے گرد حصار بنا رکھا ہے۔‘‘ شیطان اعظم دھاڑا۔

’’جی جی، جی ہاں، ایسا ہی ہے۔‘‘ آتش نے جواب دیا۔

’’تم فوراً وہ حصار ختم کر دو، یہ ہمارا حکم ہے۔‘‘ شیطان اعظم کا حکم سن کر آتش نے کہا:

’’اگر میں یہ حکم ماننے سے انکار کر دوں تو......‘‘

’’تم ایسا نہیں کرو گی۔ جو میری حکم عدولی کرتا ہے اس کا انجام بھیانک ہوتا ہے۔ ابھی اور اسی وقت حصار ختم کرو، ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ‘‘ شیطان اعظم غصیلے انداز میں بولا۔

’’آتش نے ملکہ بدی اور اُس کی رعایا پر ایک نگاہ ڈالی، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ سوچوں میں گم تھی کہ شیطان اعظم کی آواز سنائی دی:

’’سوچو مت، میرے حکم کی تعمیل کرو اور حصار ختم کر دو۔‘‘

آتش نے کچھ دیر بعد جواب دیا:

’’میں شرشر کے گرد حصار ختم نہیں کر سکوں گی۔‘‘

’’وہ کیوں؟‘‘ شیطان اعظم چلّایا۔

(آتش حصار کیوں ختم نہیں کر سکتی تھی؟ حصار ختم ہوا یا نہیں؟ یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

قرطبہ

حافظ محمد معاویہ آصف۔ ٹنڈوالہ یار

اندلس کے مشہور شہر ''قرطبہ'' کا شمار دنیا کے چند گنے چنے قدیم اور خوب صورت شہروں میں ہوتا ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح کی تاریخ میں بھی قرطبہ کا ذکر ایک آباد شہر کی حیثیت سے ملتا ہے۔

پہلی صدی ہجری میں ''طارق بن زیاد'' جب وادی لکہ کے معرکے سے فارغ ہوئے تو اپنی فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے اندلس کے مختلف شہروں کی طرف بھیجا، چناں چہ قرطبہ کو فتح کرنے کی مہم ''مغیث رومی'' کے سپرد ہوئی۔

قرطبہ شہر قدیم زمانے میں وادی الکبیر کے شمالی حصے پر آباد تھا اور جنوب کی طرف سے دریا عبور کرتے ہی قرطبہ کی فصیل شروع ہو جاتی تھی۔

چناں چہ مغیث رومی جنوب کی طرف سے آئے اور ''وادی الکبیر'' میں ''شقندرہ'' کے مقام پر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ قرطبہ کو فتح کرنے کے لیے پہلے دریا عبور کرنا اور اُس کے بعد قرطبہ کی مضبوط اور بلند فصیل پر قبضہ کرنا معمولی بات نہیں تھی۔

مغیث رومی کے ساتھیوں نے ''شقندرہ'' کے مقام پر ایک ''چرواہے'' کو روک کر اُس سے پوچھ گچھ کی تو چرواہے نے بتایا کہ قرطبہ کے رؤسا جنگ کے خوف سے پہلے ہی طیطلہ کی طرف فرار ہو چکے ہیں۔ مغیث رومی کے ساتھیوں نے فصیل کے بارے میں پوچھا تو چرواہے نے بتایا کہ فصیل تو بہت مضبوط اور مستحکم ہے، البتہ اس کے ایک حصے میں شگاف ہے، جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔''

رات کے وقت مغیث رومی نے قرطبہ فتح کرنے کے لیے حملے کا فیصلہ کیا تو غیبی امداد کے طور پر بارش شروع ہوگئی۔ بارش کی آواز کی وجہ سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز دب کر رہ گئی اور مغیث رومی نے اپنے ساتھیوں کے ہم راہ آسانی اور اطمینان کے ساتھ وادی الکبیر کا پُل عبور کر لیا۔

بارش اور سردی کی وجہ سے فصیل کے محافظ بھی فصیل سے ہٹ کر اپنی چوکیوں میں پناہ لے چکے تھے۔ چرواہے نے جس شگاف کی نشاندھی کی تھی وہ موجود تو تھا، لیکن اتنی بلندی پر تھا کہ اس تک پہنچنا آسان نہ تھا، لیکن ایک سرفروش مجاہد انجیر کے درخت کا سہارا لے کر اُس شگاف تک پہنچنے میں کام یاب

ہوگیا۔ مغیث رومی نے اپنا عمامہ اتار کر اُس کا ایک کونا شگاف پر موجود مجاہد کی طرف پھینکا۔ اس کے بعد دیگر کئی سپاہی شگاف تک پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔ انھوں نے مل کر فصیل کے اندر چھلانگ لگائی، پہرے پر موجود پہرے داروں پر حملہ کر کے انھیں قابو کیا اور شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح قرطبہ کسی مزاحمت کے بغیر مسلمانوں نے آسانی سے فتح کر لیا۔

اندلس فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے شروع میں ''اشبیلیہ'' کو دارالحکومت بنایا تھا، لیکن سلیمان بن عبدالملک کے دور میں سمح بن مالک خولانی نے دارالحکومت، اشبیلیہ سے قرطبہ منتقل کر لیا اور یہ صدیوں اندلس کا دارالحکومت رہا۔

عبدالرحمن الداخل نے اپنے دورِ خلافت میں یہاں اموی سلطنت قائم کی تو قرطبہ کو زبردست ترقی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے دور میں قرطبہ دنیا کے ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

''علم و فضل'' کے لحاظ سے بھی قرطبہ اندلس کا عظیم شہر سمجھا جاتا تھا، اندلس میں علم و دانش کے میدان میں جو ہستیاں پیدا ہوئیں ان میں سے زیادہ تر کا تعلق قرطبہ ہی سے تھا۔ مشہور مفسر اور صحیح مسلم کے شارح ''علامہ قرطبی، فقہ اور فلسفہ کے امام علامہ ابن رشد، مسلک اہل ظاہر کے سرخیل علامہ ابن حزم، طب اور سرجری کے مسلم الثبوت سائنس دان ابوالقاسم زہراوی اسی شہر قرطبہ میں ہی دادِ علم و فضل دیتے رہے۔

قرطبہ کے ''کتب خانے'' بھی دنیا بھر میں معروف تھے۔ علم و ادب کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ کوئی گھر ایک اچھے کتب خانے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ جو لوگ کتابوں کا طبعی طور پر ذوق نہیں رکھتے تھے انھیں معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ فیشن کے طور پر اپنے گھروں میں مختلف علم و فنون کی کتابیں رکھتے تھے۔ اس علمی ذوق کا نتیجہ یہ تھا کہ قرطبہ کے لوگ اپنی شرافت، خوش اخلاقی، خوش وضعی اور سنجیدگی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

اندلس کے ایک مؤرخ، اہل قرطبہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ بہترین اور صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں، دینی احکام کی پوری پابندی کرتے ہیں، نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں، تمام اہل قرطبہ شہر کی جامع مسجد کی تعظیم کرتے ہیں، ہر طرح کے منکرات سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کا سرمایۂ فخر و ناز تین چیزیں ہیں:

ایک خاندانی شرافت دوسری سپہ گری، تیسری علم۔

قرطبہ کی جامع مسجد کا شمار بھی دنیا کی خوب صورت مساجد میں ہوتا تھا۔ جامع مسجد کا کل رقبہ تینتیس ہزار ایک سو پچاس (۳۳۱۵۰) مربع ذراع (گز) تھا۔ جامع قرطبہ کا اندرونی حصہ دنیا بھر میں اپنی وسعت اور حسن کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ مسجد کی چھت چودہ سو (۱۴۰۰) ستونوں پر قائم ہے، جن کے سائے میں کبھی ذکر و فکر اور علم و فضل کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔ جہاں انسانیت کو تہذیب و شرافت کا درس دیا جاتا تھا، جہاں علم و ادب کی شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ مسجد کی چھت میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) طاق اس ترتیب سے بنائے گئے تھے کہ سورج اپنے سال بھر کی گردش میں روزانہ ایک طاق میں داخل ہوتا تھا۔

رات کے وقت مسجد میں دو سو اسّی (۲۸۰) فانوس روشن ہوتے تھے، جن کے روشن پیالوں کی تعداد سات ہزار چار سو پچیس (۷۴۲۵) تھی۔ مسجد میں جلنے والی شمعوں اور چراغوں میں تین سو چودہ (۳۱۴) من تیل استعمال ہوتا تھا۔ سال بھر میں ساڑھے تین من موم اور ساڑھے چونتیس سیر سوت بتیاں بنانے میں صرف ہوتا تھا۔ ہر جمعے کو مسجد میں آدھا سیر عود اور پاؤ بھر عنبر جلایا جاتا تھا۔

مسجد کا مینار بنانے کے لیے زمین سے چون (۵۴) ہاتھ کی بلندی پر ایک چھجا بنایا گیا تھا، جس پر ستون قائم کر کے ان پر ایک برج بنا دیا

گیا تھا، جہاں مؤذن اذان دیتا تھا۔

پہلے مینار کے برعکس اس میں اوپر جانے کے لیے دو زینے بنائے گئے تھے۔ برج کے اوپر کلس تھا جو سیب کی شکل کے تین گولوں پر مشتمل تھا، جو ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیچ کا گولہ چاندی کا اور دوسرے دونوں سونے کے تھے۔ ان سیبوں کے اوپر چھے پنکھڑیوں والا سوسن کا پھول تھا، جس پر نہایت خوب صورت سونے کا انار بنایا گیا تھا۔

مسجد کا محراب جس سنگ مرمر سے تیار کیا گیا تھا وہ دودھ سے زیادہ سفید اور چاندی سے زیادہ چمکیلا تھا۔ اس محراب کے پاس وہ منبر بھی ہے جس سے کبھی قاضی منذر بن سعید کی فصاحت و بلاغت سے معمور آتش نوا تقریریں فضا میں بکھرتی تھیں۔ اس منبر کو خوش بودار اور قیمتی لکڑی کے چھتیس ہزار (۳۶۰۰۰) ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ ٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے سونے اور چاندی کی کیلیں لگائی گئی تھیں۔

شروع میں وضو کرنے کے لیے پانی، مسجد کے باہر کے ایک کنویں سے وضو خانے میں لا کر بھرا جاتا تھا، لیکن بعد میں چار وضو خانے بنوا دیے گئے تھے، جن میں سے دو بڑے اور دو چھوٹے تھے۔ ان میں پانی بھرنے کے لیے ایک پختہ نہر، جبل قرطبہ کو کاٹ کر مسجد تک لائی گئی تھی۔ اس نہر کا پانی نہایت عمدہ اور شیریں تھا۔

۱۲۳۶ء میں اندلس میں مسلم حکومت کے خاتمے کے بعد دُوسری مساجد کی طرح مسجد قرطبہ بھی عیسائی راہبوں کے تسلط میں آ گئی۔ دس سال بعد ۱۲۴۶ء میں اسے گرجا گھر میں بدل دیا گیا۔ پندرھویں صدی میں مسجد میں ایک کیتھولک گرجا قائم کر دیا گیا ہے اور مسجد کی یادگار کے طور پر محراب اور سامنے کی دو تین صفوں کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

اموی خاندان نے قرطبہ پر تین صدی سے زائد حکومت کی، اس کے بعد بنی حمود، بنی جہور، بنی عباد، مرابطین وغیرہ کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔

اس کے بعد ۶۳۴ھ میں قسطلہ کا عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ اُس پر قابض ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے دنیا کے اس عظیم الشان شہر پر ۵۳۴ سال حکومت کی۔

شگوفے

قارئین

☆ایک شخص اپنا گدھا فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اسے پتا چلا کہ اس کے ایک دوست کو گدھے کی ضرورت ہے تو اُس نے اپنے دوست کو خط لکھا:

''پیارے دوست! اگر تمھیں ایک اچھے گدھے کی ضرورت ہو تو مجھے ضرور یاد کرلینا۔

(محسن رفیق۔کراچی)

☆تین دوست گپیں ہانک رہے تھے۔ایک کہنے لگا:

''میں اتنی گرم چائے پیتا ہوں کہ ہونٹ جل جاتے ہیں۔''

دوسرا کہنے لگا:

''میں اس قدر گرم چائے پیتا ہوں کہ آنتیں اور معدہ تک جل اٹھتا ہے۔''

تیسرا جو یہ سب باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا:

''میں تو پانی، دودھ، پتی اور چینی منہ میں ڈال کر خود چولھے پر بیٹھ جاتا ہوں۔''

(مھد یہ احسن۔کراچی)

☆ ایک فرم کا مالک (امیدوار سے):''تمھیں یقین ہے کہ تم یہ کاروبار چلالو گے؟''

امیدوار:''جناب! کیوں نہیں، پورے دس برس سے سائیکل چلا رہا ہوں۔ کاروبار چلانا کون سا مشکل کام ہے۔''

☆پاگل خانے میں آتے ہی ایک شخص بے تحاشا ہنسنے لگا۔ڈاکٹر نے وجہ پوچھی۔ پاگل نے جواب دیا:

''میں اور میرا بھائی ہم شکل تھے۔کلاس میں شرارت وہ کرتا اور سزا مجھے بھگتنا پڑتی، لہٰذا آج میں نے تمام سابقہ زیادتیوں کا بدلہ لے لیا۔''

''وہ کیسے!؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''پاگل بولا:''وہ اس طرح کہ مرتو میں گیا تھا، لیکن لوگوں نے دفن اسے کردیا، ہاہاہا!''

(شایان احمد۔حیدرآباد)

☆ایک بے وقوف (دوسرے سے):

''اگر ہم چائے میں مرچیں ڈال دیں تو کیسی ہوگی؟''

دوسرا بے وقوف:''ارے بے وقوف! یہ کوئی حلوہ تھوڑی ہے کہ اس میں مرچیں ڈالیں گے۔''

(محمد خبیب اسلم۔رحیم یارخان)

☆ایک فوجی افسر نے اپنے ماتحتوں کی دعوت کی اور جوش سے کہنے لگا:

''جوانو! آج کھانے پر اِس طرح ٹوٹ پڑو جس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہو۔''

کچھ دیر بعد ایک جوان جلدی جلدی کھانا اپنی جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔''

افسر نے دیکھا اور غصے سے پوچھا:''یہ کیا کر رہے ہو؟''

جوان بولا:''جناب! بچ جانے والوں کو قیدی بنا رہا ہوں۔''

(باقر علی۔لودھراں)

☆ایک شخص چائے پینے ایک مہنگے اور جدید ہوٹل میں گیا۔جس میز پر وہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے والی میز پر اُس نے دیکھا کہ بڑی بڑی مونچھوں اور ڈراونی شکل والا ایک شخص اسے گھور رہا ہے۔

اس نے دل میں سوچا، کیسے کیسے بندر آجاتے ہیں ہوٹلوں میں۔

پھر اُس نے پانی پینے کے لیے گلاس اٹھایا اور اُس شخص کی طرف دیکھا تو وہ بھی گلاس اٹھا چکا تھا۔اب تو جیسے مقابلہ شروع ہوگیا۔بے وقوف شخص جس طرح حرکت کرتا وہ شخص اس کی نقل کرتا۔

بے وقوف شخص کو اَب غصہ آگیا۔اس نے گلاس اٹھایا اور دے مارا۔

پھر تو شور مچ گیا، لوگ جمع ہوگئے۔سب لوگ بے وقوف شخص کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔لوگوں کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال تھا کہ......

''اس نے شیشہ کیوں توڑا؟''

(صفیہ سہیل۔لاہور)

ننھی چڑیا

روبینہ عبدالقدیر۔ کراچی

’’امی! کیا کبو میاں مر جائیں گے؟‘‘

ننھی چڑیا نے کھچڑی بناتی امی سے پوچھا۔

’’ایسے نہیں کہتے بیٹی! دعا کرو، اللہ تعالیٰ کبو میاں کو صحت دے۔‘‘ امی چڑیا نے پیار سے سمجھایا۔

’’کبو کو کیا ہوا بہن!؟‘‘ ساتھ والے درخت پر موجود بی فاختہ نے پوچھا۔

’’کبو میاں کل کہیں گئے تھے، جب سے واپس آئے ہیں بیمار پڑے ہیں۔‘‘ چڑیا نے کھچڑی دم پر لگا کر جواب دیا۔

’’ویسے کھچڑی کی خوش بو بہت اچھی آرہی ہے، تھوڑی سی میرے ننھو کے لیے دے دینا۔ کچھ کھاتا پیتا نہیں ہے، کیا پتا تمھاری بنائی ہوئی کھچڑی کھالے۔‘‘ بی فاختہ نے لگے ہاتھوں فرمائش کر ڈالی۔

بی چڑیا نے سر ہلا دیا۔ کھچڑی کی خوش بو سے ننھی چڑیا کو بھی بہت بھوک لگ رہی تھی۔

’’امی! یہ کھچڑی آپ کس کے لیے رکھ رہی ہیں۔‘‘ تربوز کے خالی چھلکوں میں کھچڑی بھرتے دیکھ کر ننھی چڑیا نے پوچھا۔

’’تم کھانا کھالو، پھر ہم کبو میاں کی عیادت کرنے جائیں گے تو اُن کے لیے کھچڑی لے کر جائیں گے۔‘‘

امی چڑیا نے اسے جواب دیا اور خود بھی کھانا کھانے لگیں۔

کبو میاں جنگل کے سب سے خوب صورت کبوتر تھے۔ کل وہ دانے دنکے کے لیے جنگل سے باہر نکلے تو زخمی ہو کر لوٹے۔

’’یہ سب کیسے ہوا کبو میاں!؟‘‘ بی چڑیا نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

’’چیں چیں......‘‘ اچانک ننھی چڑیا نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کبو میاں بے چارے جواب دینے کے بجائے خاموش ہو گئے۔

بی چڑیا نے بمشکل ننھی چڑیا کو چپ کروایا اور دوبارہ بات شروع کی۔

’’بس بی چڑیا! کیا بتاؤں؟ کسی انسان نے شکار کے لیے گولی چلائی جو مجھے......‘‘ اس سے پہلے کہ کبو میاں بات مکمل کرتے ننھی چڑیا نے آکر بی چڑیا کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔

ننھی چڑیا کی وجہ سے کبو میاں پریشان ہو رہے تھے۔

’’چلیں یہ کھچڑی کھالیں، آپ کے لیے لائی ہوں۔‘‘ بی چڑیا نے کھچڑی انھیں دیتے ہوئے کہا۔

کھچڑی دیکھ کر ننھی چڑیا کی بھوک دوبارہ چمک اٹھی۔

وہ ٹکر ٹکر کبو میاں کو دیکھنے لگی۔ بی چڑیا نے منع بھی کیا، لیکن کبو میاں نے شرمندہ ہوتے ہوئے ننھی چڑیا کو بھی آدھی کھچڑی کھلا دی۔

آج ننھی چڑیا نے بی چڑیا کو بہت زیادہ شرمندہ کیا تھا۔

ان کے باہر نکلتے ہی کبو میاں نے سکھ کا سانس لیا۔ ان کی طبیعت خراب تھی، اوپر سے ننھی چڑیا نے انھیں مزید پریشان کر دیا تھا۔

......☆......

’’امی! آپ مجھ سے ناراض ہیں؟‘‘ ننھی چڑیا نے خاموش بیٹھی امی چڑیا سے پوچھا۔

’’آپ نے آج مجھے بہت شرمندہ کروایا ہے۔‘‘ بی چڑیا نے منہ دوسری طرف پھیرے جواب دیا۔

ننھی چڑیا نے خفگی سے سر نیچے کر لیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 49 پر

سفرنامہ

نئے لکھاری

صارم تیجانی۔ کراچی

ترکی ہمارا برادر اسلامی ملک ہے۔ ترکی کی ایک عظیم الشان اسلامی تاریخ ہے۔ ترکی سلطنت عثمانیہ کا مرکز رہا ہے۔ سلطنت عثمانیہ نے قریباً ایک ہزار سال چار برِاعظموں پر حکومت کی۔ یہ اسلامی تاریخ کا سنہری دور رہا ہے۔

ترکی سیاحت کے لیے بھی بہت مشہور ہے۔ ترکی کا شہر اِستنبول دنیا کے بہترین سیاحتی شہروں میں سے ایک ہے۔ اس

کے علاوہ ترکی کے دیگر شہر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ میں ترکی کا سفر کروں۔ آخر ایک دن میری یہ خواہش پوری ہوگئی اور ہم سب گھر والے ترکی کے لیے روانہ ہوگئے۔ ترکش ایئر سے سفر کرتے ہوئے ہم تقریباً پانچ گھنٹے میں استنبول ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ استنبول ایئرپورٹ دنیا کے بڑے ایئرپورٹوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے ہوٹل کا نام مرمرا پیرا تھا، جو کہ مشہور زمانہ استقلال اسٹریٹ کے ساتھ ہے۔

جلد ہی ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ دن کا ایک بج چکا تھا اور بھوک سے ہمارا بُرا حال تھا۔ ہم سب نیچے اُتر گئے اور اِستقلال اسٹریٹ پر گھومنے لگے۔ یہاں صرف پیدل چلا جاسکتا ہے۔ ہر طرف سیاحوں کا ہجوم تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف ریسٹورنٹ، شاپنگ مال اور مختلف اشیا کی بے شمار دکانیں ہیں۔ سڑک کے وسط میں ٹرام بھی چلتی ہے۔ یہ ٹرام تقسیم اسکوائر تک جاتی ہے۔

اب ہم اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کیا کھایا جائے۔ آخر ایک ترکش ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئے۔ ترکی کھانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان کے ادانہ کباب اور باربی کیو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک مکس پلیٹر منگوایا اور خوب مزے لے کر کھایا۔ باہر نکلے تو آئس کریم والے کے پاس رُک گئے۔

آئس کریم کا آرڈر کیا۔ اس کے بعد کا منظر بہت دل چسپ تھا۔ ان کا آئس کریم دینے کا انداز بہت دل چسپ ہے۔ یہ آپ کو آئس کریم نہیں لینے دیتے۔ میرے اور آئس کریم والے کے درمیان یہ دل چسپ کھیل چلتا رہا۔ ہر بار میرا ہاتھ خالی رہ جاتا۔ سب بہت لطف اندوز ہوتے رہے۔ آخر مجھے آئس کریم مل گئی۔

اب ہم ہوٹل آگئے۔ کپڑے بدل کر ہم نے استنبول کے تاریخی مقامات دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر بلو مسجد پہنچ گئے۔

یہ مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے سلطان مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے ٹائلز نیلے رنگ کے ہیں۔ رات کو نیلے رنگ کی روشنی سے یہ مسجد نیلے رنگ کی نظر آتی ہے۔ بلو مسجد کے ساتھ آیا صوفیہ ہے، جو کہ بہت بڑی مسجد ہے۔ اسے گرانڈ مسجد بھی کہتے ہیں۔ رومن ایمپائر کے دور میں یہ بہت بڑا چرچ ہوا کرتا تھا۔ سلطان عثمان نے جب یہاں قبضہ کیا تو اسے مسجد میں تبدیل کردیا۔ اب یہاں چرچ اور مسجد، دونوں کے آثار ہیں۔

ہماری اگلی منزل توپ کاپی محل تھا۔ کچھ بھوک محسوس ہورہی تھی۔ باہر ایک شخص سمٹ بنا رہا تھا۔ یہ ترکی روٹی ہوتی ہے جو بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اس سے لطف اندوز ہوکر ہم توپ کاپی محل پہنچ گئے۔

یہ ایک محل ہے جو کافی عرصے تک سلطنت عثمانیہ کے بادشاہوں کا

گھر رہا ہے۔ یہاں پر ایک اسلامی میوزیم بھی ہے۔ یہاں پہنچ کر ہم بہت خوش ہوئے، کیوں کہ یہاں ہمارے پیارے نبی ﷺ اور اُن کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت ساری نشانیاں اور اُن کے استعمال کی اشیا رکھی ہوئی ہیں۔

اب رات کافی ہو چکی تھی۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ الحمدللہ! فوراً ٹیکسی مل گئی اور ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل میں جانے سے پہلے ہم نے استقلال اسٹریٹ سے ڈونرز لیے۔ یہ بالکل شوارما کی طرح ہوتے ہیں، جو کہ بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ یوں ہمارا پہلا دن اختتام پذیر ہوا۔

دوسرے دن ہمارا اِرادہ پرنسز آئی لینڈ جانے کا تھا۔ استنبول سے قریب سات جزیرے ہیں، جنھیں پرنسز آئی لینڈ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے صرف دو آباد ہیں۔ ہم کشتی میں بیٹھ کر گئے۔ یہ قریباً دو سو اَفراد کی کشتی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم جزیرے پر پہنچ گئے تھے۔

اس جزیرے کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں ایندھن سے چلنے والی کوئی گاڑی نہیں چلتی، صرف گھوڑا گاڑی ہوتی ہے۔ ہم بھی ایک گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ آدھے گھنٹے کا سفر ہے، مگر بہت مزے دار ہے۔ یہاں کی سیر اور کھانے کے بعد ہم واپس روانہ ہو گئے۔ واپسی پر ہم نے باسفورس دریا کا سفر کشتی میں کیا اور باسفورس دریا کے ساتھ مختلف تاریخی مقامات بھی دیکھے۔ اب ایک بار پھر ہماری منزل ہوٹل تھی۔

اگلے چند دنوں میں ہم نے گلاٹا ٹاور، ٹاسقم اسکوائر، جنگل سفاری گرانڈ بازار، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار اور کئی اور تاریخی مقامات دیکھے۔ اور ہاں، ڈھیر ساری خریداری بھی کی۔

ترکی کے لوگ انگریزی زباں بہت کم جانتے ہیں، لہٰذا خریداری کرتے ہوئے کافی دقت ہوئی تھی، لیکن یہ لوگ بہت ملن سار ہیں۔ اگر اُنھیں یہ پتا چل جائے کہ یہ پاکستانی ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنا بھائی کہتے ہیں اور گلے لگا لیتے ہیں۔

ترکی کے عوام اپنی تاریخ پر بہت فخر کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں!؟ وہ ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کے وارث رہے ہیں۔

ترکی کا سفر میرا یادگار سفر تھا۔ آج بھی ترکی جانے کا دل چاہتا ہے اور اُس کے دیگر شہر انطالیہ، کپوڈوکیہ، بوٹرہ وغیرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری یہ خواہش پوری کرے۔ آمین!

مدد

بریرہ فرہاج۔ کراچی

''بریرہ! بریرہ! جلدی اُٹھو۔ سات بج چکے ہیں۔'' امی نے ایک دن صبح کے وقت مجھے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''کیا سات بج گئے! اوہ خدایا! آپ نے مجھے جلدی کیوں نہیں اُٹھایا؟'' میں نے منہ بنالیا۔

''بیٹا! گھڑی کا الارم نہیں بجا تھا، میری بھی ابھی ابھی آنکھ کھلی ہے۔'' امی میرے بستر کی چادر ہٹاتے ہوئے بولیں۔

''امی! اب تو میری وین بھی جا چکی ہوگی۔''

میرا دل چاہ رہا تھا کہ بستر پر ہی رونا شروع کر دوں۔ امی میری شکل دیکھ کر سمجھ گئیں اور بولیں:

''گڑیا! تم پریشان مت ہو۔ آپ کے بابا دفتر جاتے ہوئے موٹر سائیکل پر آپ کو مدرسے چھوڑ دیں گے۔'' امی نے جب یہ بات کہی تو پھر میری جان میں جان آئی۔

''تم جلدی سے فجر کی نماز پڑھ لو، میں پڑھ چکی ہوں، کہیں وقت نہ نکل جائے۔''

میرے مدرسے کی باجی اکثر کہتی ہیں کہ مدرسے کی چھٹی نہیں کرنی چاہیے۔ جو بچے پابندی سے مدرسے آتے ہیں ان کی طلب دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں اور مدد فرماتے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے جلدی جلدی اپنا مدرسے کا یونی فارم پہنا اور ناشتا کیا۔ اس دوران میں بابا بھی ناشتا کر چکے تھے۔

میں اور بابا گھر سے ۷:۴۰ پر نکلے۔ سردیوں میں مدرسے کا وقت ۸ بجے ہو جاتا ہے۔ ہم ۸ بجے مدرسے پہنچ سکتے تھے، کیوں کہ مدرسے کا گھر سے فاصلہ اتنا تھا کہ موٹر سائیکل پر ۲۰ منٹ میں پہنچ جاتے تھے۔

گھر سے نکلنے کے بعد جب بابا نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنی چاہی تو کچھ دیر اُس میں لگ گئی۔ میں نے دعائیں مانگنا شروع کر دیں کہ یا اللہ! میں آج مدرسے وقت پر پہنچ جاؤں۔

بابا بولے: ''سردی کے موسم میں کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے، ابھی ان

شاء اللہ تعالیٰ موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو جائے گی۔‘‘

خیر، موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوگئی۔ میں اور بابا اس پر سوار ہو گئے۔ میں نے سفر کی دعا پڑھ لی۔ راستے میں بابا کہنے لگے:

’’بیٹا! یہ آپ کا پھول کی طرح چہرہ مرجھایا ہوا کیوں ہے؟‘‘

میں واقعی بے چین تھی۔ بابا کی بات پر کچھ نہیں کہا، صرف مسکرا دی۔ بابا سمجھ گئے تھے کہ میں ہمیشہ کی طرح آج بھی وقت پر مدرسے پہنچنا چاہتی ہوں۔ اس لیے وہ تیز، مگر احتیاط سے موٹر سائیکل چلا رہے تھے۔ اس دن سڑکوں پر رش بھی کم تھا، ہم مدرسے کی طرف گام زن تھے۔

ابھی مدرسے سے ۴ یا ۵ گلیوں کے فاصلے پر ہی تھے کہ بابا کو موٹر سائیکل میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔ انھوں نے سڑک کے کنارے موٹر سائیکل روکی تو پتا چلا کہ ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔

اب تو مجھے مزید فکر ہونی شروع ہوگئی۔ مدرسے میں تاخیر، سبق کا ناغہ اور باجی کی ناراضی، سب ذہن میں گھومنے لگے۔

بابا نے موٹر سائیکل ایک دکان کے سامنے کھڑی کر دی، جو کہ اس وقت بند تھی۔ بابا نے کہا کہ اگر ابھی پنکچر لگوانا شروع کیا تو دیر ہو جائے گی، اس لیے ہم پیدل ہی مدرسے کی طرف چلنا شروع ہو گئے۔

بابا نے مجھ سے کہا:

’’پریشان مت ہو۔ جو علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ آسانی کریں گے اور ہم وقت پر پہنچ جائیں گے۔‘‘

لیکن میں نے منہ بسور لیا اور پاؤں پٹختے ہوئے سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ مجھ پر تو اُس وقت مدرسے وقت پر پہنچنے کا بھوت سوار تھا۔ بابا نے رکشا کرنے کا کہا، لیکن میں نے بابا کو منع کر دیا اور پیدل ہی چلنے لگی۔ بابا نے میرا بستہ مجھ سے لے کر خود اپنے کندھے پر ٹانگ لیا۔

گھڑی دیکھی تو ۸ بجنے میں صرف ۳ منٹ باقی تھے۔ ابھی کافی پیدل چلنا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ آج تو وقت پر مدرسے نہیں پہنچ سکوں گی۔ میرے آنسو بس نکلنے ہی والے تھے کہ اچانک ایک گاڑی ہمارے پاس سے گزرتی ہوئی چلی گئی۔

بابا نے مڑ کر دیکھا تو وہ گاڑی آگے جا کر رک گئی اور پھر آہستہ آہستہ واپس ہماری طرف آنے لگی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گاڑی میں کون ہے؟

گاڑی رکی تو بابا نے کہا:

’’ارے آپ!؟ میری بیٹی کو مدرسے سے دیر ہو رہی ہے، آپ ہمیں مدرسے چھوڑ دیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔‘‘

انھوں نے فوراً رضامندی ظاہر کی اور گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ بابا نے پہلے مجھے بٹھایا اور پھر خود میرے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر بابا نے موٹر سائیکل کے پنکچر کا بتایا اور پھر مدرسے کا راستہ بھی سمجھایا۔

بابا ان سے باتیں کر رہے تھے تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تو بابا کے دوست عاصم بھروچہ صاحب ہیں، جو کہ بابا کے دفتر میں ہی کام کرتے ہیں، لیکن اُس دن اچانک ہمیں وہاں راستے میں مل گئے تھے۔

اُنھوں نے ہمیں فوراً مدرسے کے دروازے پر پہنچا دیا۔ بابا نے انھیں جزاک اللہ کہا۔ انکل عاصم بھروچہ نے بابا سے کہا:

’’آپ بیٹی کو دروازے پر رخصت کر دیں، میں آپ کو آپ کی موٹر سائیکل تک پہنچا دیتا ہوں۔‘‘

بابا نے جواب دیا:

’’آپ نے عین موقع پر مدد کی، آپ کا بہت بہت شکریہ! میں پیدل ہی چلا جاؤں گا، مجھے تو صرف اپنی بیٹی کو مدرسے وقت پر پہنچانے کی تھی اور وہ آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے پوری کروا دی۔‘‘

میں جب مدرسے پہنچی تو ۸ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ میں وقت پر مدرسے پہنچ چکی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بابا کو بھی الوداع کیا۔

سچ ہے کہ جو انسان وقت کی پابندی کرے اور علم حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

وقت کی اہمیت

انیسہ منیر۔ کراچی

کسی شہر میں دو بھائی بہن اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے۔ بھائی کا نام آصف، جب کہ بہن کا نام مریم تھا۔

آصف بہت شرارتی تھا اور وقت کی قدر نہیں کرتا تھا۔ سب اس سے بہت پریشان تھے، جب کہ مریم وقت کی قدر کرنے والی اور فرماں

بردارلڑکی تھی۔ سب اس سے بہت خوش تھے۔ وہ اسکول میں ہر سال نمایاں پوزیشن حاصل کرتی، جب کہ آصف بہت مشکل سے پاس ہوتا۔

اس سال بھی سالانہ امتحان قریب آرہے تھے۔ مریم نے دن رات خوب محنت کی، جب کہ آصف اپنا وقت ضائع کرتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ جب امتحان شروع ہونے والے ہوں گے میں اس وقت تیاری کروں گا۔

جب امتحان شروع ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا تو پھر سب نے اسے کہا کہ آصف! اب تو کچھ پڑھ لو، تاکہ کم از کم امتحان میں کام یاب ہو جاؤ اور تمھارا سال ضائع ہونے سے بچ جائے لیکن آصف پر پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا اور امتحان شروع ہوگئے۔

کل نتیجہ تھا۔ مریم نے کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور آصف فیل ہوگیا۔ ہر مضمون میں کچھ بچوں کے کم نمبر آئے تھے، مگر آصف کی کلاس میں آصف کے علاوہ کوئی فیل نہ ہوا تھا۔ آصف گھر آیا اور بستر پر گر کر زور زور سے رونے لگا۔ اسے اب افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنا قیمتی سال شرارتوں اور کھیل کود میں ضائع کردیا۔

پھر امی نے آصف کو سمجھایا کہ ہر لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ اگر تم پہلے محنت کر لیتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ آصف خاموشی سے امی کی باتیں سنتا رہا اور پھر اُس نے دل سے یہ عہد کیا کہ اب وہ دل لگا کر پڑھے گا، کیوں کہ آج اسے وقت کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

نمازوں کا تحفہ

عزیزارفیق۔ میرپورخاص

جب ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو ہمارے پیارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا تحفہ دیا، جن میں سے ایک نماز بھی ہے۔

پیارے بچو! نماز، نبوت کے بارھویں سال فرض ہوئی۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ۵۰ نمازوں کا تحفہ لے کر واپس تشریف لا رہے تھے کہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کا حال پوچھا اور کہا کہ مجھے بنی اسرائیل کا اندازہ ہے۔ آپ کی امت ۵۰ نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، جائیے اور کمی کی درخواست کیجیے۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ واپس تشریف لے گئے اور چند نمازوں کی رعایت حاصل کرلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کم کرنے کا کہا، پھر چند کی رعایت ہوئی۔

اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ تعداد ۵ تک پہنچ گئی تو پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اور کمی کی درخواست نہیں کرسکتا، مجھے شرم آتی ہے۔ اس طرح ہمارے اوپر ۵ نمازیں فرض کی گئیں، جن کا ثواب ۵۰ نمازوں کے برابر ملتا ہے۔

نماز وہ واحد حکم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے وحی کے ذریعے نہیں اُتارا، بل کہ اپنے محبوب ﷺ کو آسمان پر بلا کر تحفے میں دیا۔ ان ۵ نمازوں کے نام یہ ہیں:

1. فجر۔ صبح کی نماز
2. ظہر۔ دوپہر کی نماز
3. عصر۔ شام کی نماز
4. مغرب۔ غروب آفتاب کی نماز
5. عشا۔ رات کی نماز

بقیہ: ننھی چڑیا

"آپ کو پتا ہے نا کومیاں بیمار تھے، پھر بھی آپ نے وہاں اتنا شور مچایا وہ بے چارے اور پریشان ہوگئے۔" بی چڑیا نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیٹا! جب ہم کسی بیمار کی عیادت کو جاتے ہیں تو ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ ہم وہاں اپنے امی ابو کو تنگ نہ کریں، مریض کے سامنے بالکل بھی شور شرابا نہ کریں اور نہ ہی ان کے کھانے پینے کی چیزوں کو گھوریں۔ کیا آپ گھر سے کھانا کھا کر نہیں گئی تھیں؟" امی چڑیا نے تھوڑی سختی سے سوال کیا۔

"جی۔" ننھی چڑیا کی ننھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"آپ نے اس کے باوجود کومیاں کی کھچڑی دیکھ کر اُنھیں صحیح طرح کھانے نہیں دی۔" امی چڑیا کو بہت دکھ تھا۔

ننھی چڑیا شرمندگی سے رو پڑی۔

"اچھا اب وعدہ کرو، آئندہ کبھی بھی مریض کے سامنے ایسے کام نہیں کرو گی جس سے مریض یا آپ کی امی کو پریشانی ہو؟" امی چڑیا نے اس کے آنسو دیکھ کر پیار سے کہا۔

"پکا وعدہ!" ننھی چڑیا فوراً بول اٹھی۔

امی چڑیا نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ وہ جانتی تھیں، ننھی چڑیا اب کبھی بھی ایسا نہیں کرے گی۔

خوشخبری

اگست 2022، یومِ آزادی کی خوشی کے ساتھ ساتھ......

آپ کے لیے لا رہا ہے......

ایک اور خوشی......

ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کا ''سال نامہ''......

بعنوان **''تجدیدِ عزم نمبر''**

جس میں آپ کو ملیں گی......

مزے دار کہانیاں،

چٹ پٹے لطائف،

دل چسپ مضامین

اور

اِنعامات حاصل کرنے کے ڈھیروں مواقع......

تو ہو جائیے تیار......

اور ہاں......

اللہ تعالیٰ سے اس خصوصی نمبر کے لیے

خصوصی دعاؤں کا اہتمام ضرور کیجیے گا۔

سیر کو جائیں

ایوب اختر۔ لیاقت پور

آؤ بچو! سیر کو جائیں
لطف اٹھائیں ، راحت پائیں

آؤ ، ہم سب دیکھیں جاکر
رنگا رنگ حسین مناظر
ہر منظر کا لطف اٹھائیں
آؤ بچو! سیر کو جائیں

سیر کریں ہم خوب مزے سے
چھوڑ کے سب جھنجھٹ دنیا کے
گھومیں دنیا ، کھانے کھائیں
آؤ بچو! سیر کو جائیں

دل کو اپنے شاد کریں ہم
ہر غم سے آزاد کریں ہم
رب کے آگے سر کو جھائیں
آؤ بچو! سیر کو جائیں

جان چھڑائیں اکتاہٹ سے
کام نہ ہو کچھ گھبراہٹ سے
زمیں کو سجدہ گاہ بنائیں
آؤ بچو! سیر کو جائیں

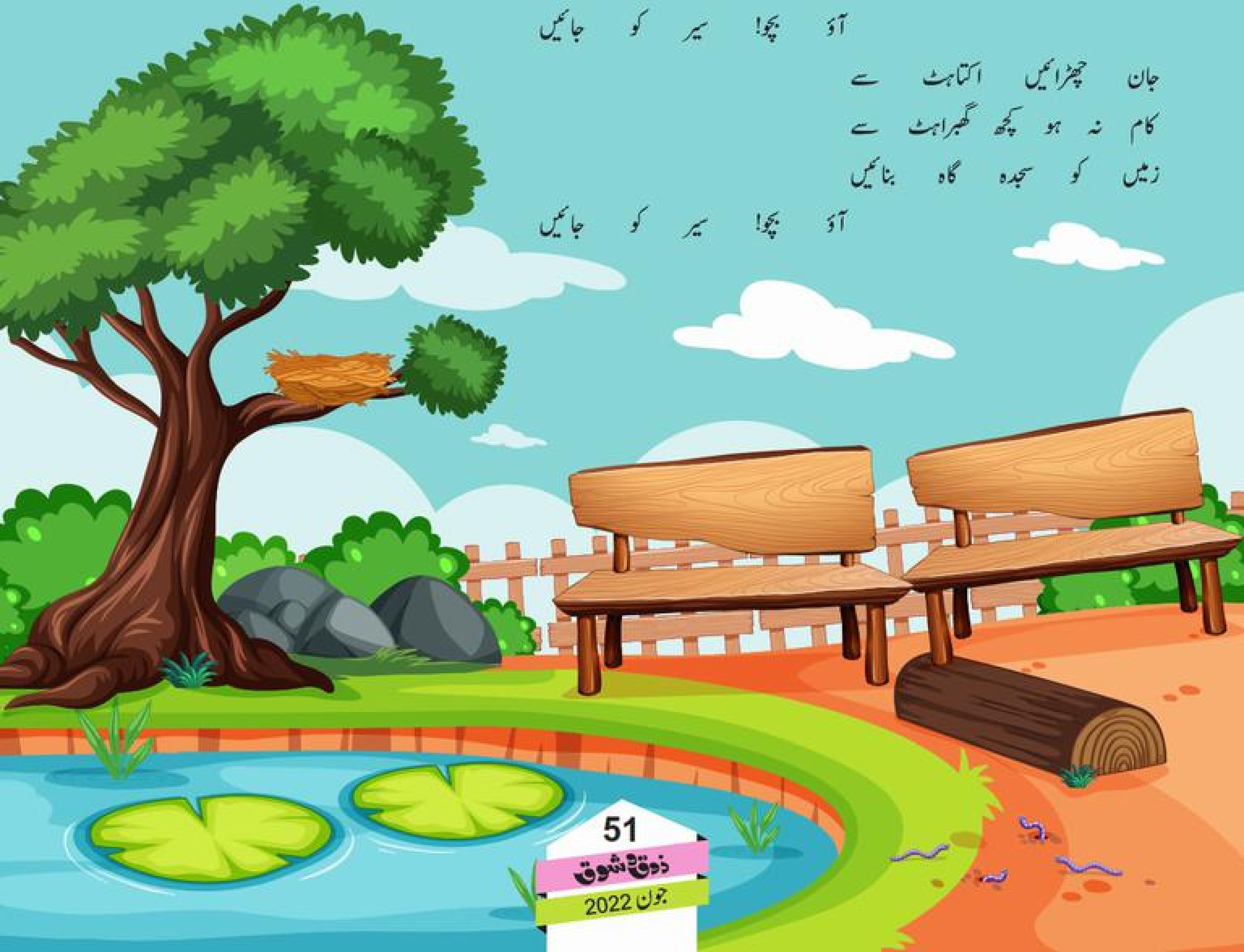

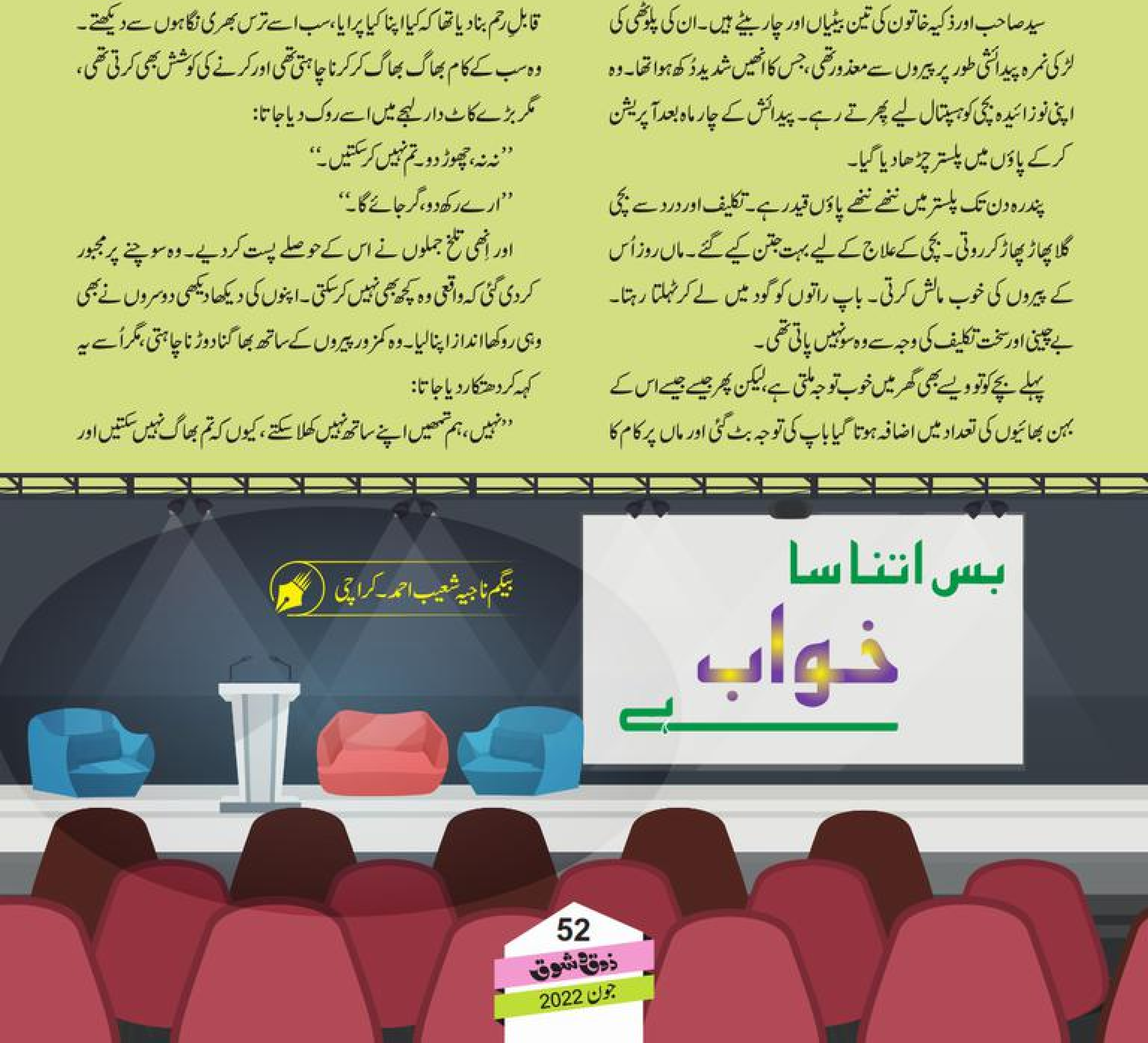

بس اتنا سا خواب ہے

بیگم ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

"اور پھر نیکی کی پری نے اپنے ہاتھ میں پکڑی جادوئی چھڑی گھمائی تو راستے سے سارے کانٹے غائب ہو گئے اور دُور تک ہری ہری گھاس اُگتی چلی گئی۔"

ذکیہ خاتون نے کہانی سناتے سناتے منہ پر ہاتھ رکھا بمشکل جمائی روکتے ہوئے نمرہ کو دیکھا جو کہانی سنتے سنتے گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ سوتی ہوئی بیٹی پر ماں کو بے تحاشا پیار آ گیا۔ بچے سوتے ہوئے کتنے معصوم لگتے ہیں اور نمرہ تو اُن کی سب سے حساس بیٹی ہے۔ درد سے کراہتی نمرہ رات کو ماں کی مہربان آغوش میں سر رکھ کر کہانی سنتے سنتے نیند کی حسین وادیوں میں کھو گئی تھی اور اُسے یوں سکون سے سوتا دیکھ کر ذکیہ خاتون نے بھی اطمینان کا سانس لیا تھا۔

......☆......

سید صاحب اور ذکیہ خاتون کی تین بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔ ان کی پلوٹھی کی لڑکی نمرہ پیدائشی طور پر پیروں سے معذور تھی، جس کا انھیں شدید دُکھ ہوا تھا۔ وہ اپنی نوزائیدہ بچی کو ہسپتال لیے پھرتے رہے۔ پیدائش کے چار ماہ بعد آپریشن کر کے پاؤں میں پلستر چڑھا دیا گیا۔

پندرہ دن تک پلستر میں ننھے ننھے پاؤں قید رہے۔ تکلیف اور درد سے بچی گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی۔ بچی کے علاج کے لیے بہت جتن کیے گئے۔ ماں روز اُس کے پیروں کی خوب مالش کرتی۔ باپ راتوں کو گود میں لے کر ٹہلتا رہتا۔ بے چینی اور سخت تکلیف کی وجہ سے وہ سو نہیں پاتی تھی۔

پہلے بچے کو تو ویسے بھی گھر میں خوب توجہ ملتی ہے، لیکن پھر جیسے جیسے اس کے بہن بھائیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا باپ کی توجہ بٹ گئی اور ماں پر کام کا بوجھ بڑھتا چلا گیا، اس کے حصے کی توجہ باقی بچے، بہن بھائیوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ الحمدللہ! سید صاحب اور ذکیہ خاتون کے باقی بچے صحت مند اور بے عیب تھے۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا، یہاں تک کہ بچی نے پنجوں کے بل چلنا شروع کر دیا۔ اس کی ایڑیاں زمین پر نہیں لگتی تھیں۔ وہ سیدھی کھڑی نہیں ہو پاتی تھی، گر جاتی تھی اور چھوٹے بہن بھائی اور کزنز اُس پر خوب ہنستے تھے۔ وہ بھی جھینپ کر اُن سب کے ساتھ ہنس پڑتی اور یوں ہنسی مذاق میں وہ تضحیک آمیز رویوں کا سامنا کرنے لگی۔

اسے شدت سے یہ احساس دلایا جانے لگا کہ وہ جسمانی لحاظ سے ادھوری ہے، باقی بچوں کی طرح مکمل نہیں ہے۔ اس کی معذوری نے اسے اس قدر قابلِ رحم بنا دیا تھا کہ کیا اپنا کیا پرایا، سب اسے ترس بھری نگاہوں سے دیکھتے۔ وہ سب کے کام بھاگ بھاگ کر کرنا چاہتی تھی اور کرنے کی کوشش بھی کرتی تھی، مگر بڑے کاٹ دار لہجے میں اسے روک دیا جاتا:

"نہ نہ، چھوڑ دو۔ تم نہیں کر سکتیں۔"

"ارے رکھ دو، گر جائے گا۔"

اور انھی تلخ جملوں نے اس کے حوصلے پست کر دیے۔ وہ سوچنے پر مجبور کر دی گئی کہ واقعی وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اپنوں کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی وہی روکھا انداز اپنا لیا۔ وہ کمزور پیروں کے ساتھ بھاگنا دوڑنا چاہتی، مگر اُسے یہ کہہ کر دھتکار دیا جاتا:

"نہیں، ہم تمھیں اپنے ساتھ نہیں کھلا سکتے، کیوں کہ تم بھاگ نہیں سکتیں اور

تمھاری وجہ سے ہم ہار جائیں گے۔‘‘

☆......

کم ہمتی نمرہ کے دل ودماغ میں بُری طرح رچ بس گئی تھی۔ کچھ عرصے بعد چیک اپ کر کے ڈاکٹر نے اسے خاص ساخت کے جوتے پہنا دیے، مگر مایوسیوں نے اسے ایسا گھیرا کہ اتنی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد بھی اس کے پیر مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو سکے۔ گھر میں بہن بھائی اور کزنز اُس کا تمسخر اڑاتے اور اسکول میں ہم جماعت۔ وہ سچ مچ ہمت ہار گئی تھی۔

☆......

ہری ہری گھاس اور خوب صورت پھولوں سے آراستہ ایک حسین باغ، جہاں درختوں کی شاخوں پر جھولتے خوش گلو پرندے چہچہا رہے تھے۔ پھلوں سے لدی ٹہنیاں اور پتوں پر بیٹھی تتلیاں، اور وہ ان شوخ رنگ تتلیوں کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی، ہرنی کی طرح قلانچیں بھر رہی تھی۔ وہاں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اُسے دیکھ کر اُس کا مذاق اڑاتا۔ وہ خوش تھی، بہت زیادہ خوش۔ تتلی کو چھونے میں وہ کامیاب ہو ہی گئی تھی کہ تتلی اُڑ گئی، مگر یہ کیا! تتلی نے اپنے سارے رنگ اس کے ہتھیلی پر چھوڑ دیے تھے۔

☆......

’’نمرہ! اٹھو بیٹا! اسکول نہیں جانا کیا؟ چلو، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔‘‘

’’ہمم، امی! سونے دیں نا! میں خواب دیکھ رہی تھی۔ آپ نے جگا دیا۔‘‘

’’ہی ہی ہی......تم جیسے لوگ بس خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔‘‘

’’شش...... بُری بات، یاور! بڑی بہن کو تنگ نہیں کرتے۔‘‘

مگر وہ تنگ ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

’’ہر وقت سوتی رہتی ہو۔ زیادہ سونے سے قسمت بھی سو جاتی ہے۔‘‘ دوسرے بھائی خاور نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا تو نمرہ مایوسی سے بولی:

’’ہاں تو ٹھیک ہے نا! اتنی بے کار سی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میں بس سوتی ہی رہوں۔‘‘

یہ تو چڑچڑے پن اور احساس کمتری کا بُری طرح سے شکار ہوتی جا رہی ہے۔‘‘ ذکیہ خاتون چونکیں۔

’’نمرہ! مایوسی کی باتیں منہ سے نہیں نکالو۔ مایوسی شیطان کا خطرناک ترین ہتھیار ہے۔‘‘

’’پھر میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ اپنے ادھورے خوابوں کو حقیقت کا روپ کیسے دوں؟‘‘

’’سب سے پہلے تو شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کا جس نے تمھیں آنکھیں تو دی ہیں جو سہانے خواب دیکھ سکتی ہیں۔‘‘

’’جی امی! بالکل! شکر الحمدللہ!‘‘

’’شاباش پیاری بیٹی! اب یہ بتاؤ کہ تم جو خواب دیکھتی ہو انھیں پورا بھی کرنا چاہتی ہو؟‘‘

’’جی۔‘‘ وہ آنکھیں بند کر کے بڑے جذب سے بولی۔

’’خواب دیکھنے والی آنکھیں تمھارے پاس ہیں، تمھیں بس ایک کام کرنا ہے۔ بولو، کرو گی؟‘‘

’’جی امی۔‘‘ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

☆......

نیکی کی پری نے اپنی جادوئی چھڑی گھمائی اور اُس کی پشت پر خوب صورت سے دو سنہری پَر نکل آئے۔ نیکی کی پری نے مسکرا کر کہا:

’’جاؤ پیاری لڑکی! اب تم اُڑ سکتی ہو۔‘‘

اس نے خوشی سے اپنے سنہری پَروں کو پھڑ پھڑایا، اب وہ تتلی کی طرح یہاں سے وہاں اڑتی پھر رہی تھی کہ اچانک اس کے کانوں سے بدصورت آوازیں ٹکرائیں:

’’دیکھا ہے، نمرہ کیسے چلتی ہے!‘‘

’’ایسے جیسے کوئی ٹوٹی چپل پہن کر لنگڑاتے ہوئے چلتا ہے۔ چچ چچ...... بے چاری!‘‘

وہ اس کی چال کی نقل اتارتے ہوئے زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ دکھی اور اُداس ہوتے ہی پیاری لڑکی کے پَر غائب ہو گئے اور وہ دھڑام سے زمین پر آ گری۔

اڑنے کا حسین سپنا ٹوٹ گیا تھا۔ نمرہ کا دیرینہ خواب تھا کہ کوئی بھی اسے ترحم بھری نظروں سے نہ دیکھے، اسے معذوری کا طعنہ نہ دے۔ وہ سوچتی کہ دنیا میں ایسے بہت سے لوگ بھی تو ہیں جن کی پوری پوری ٹانگیں نہیں ہوتیں۔ کئی تو اپنے دونوں ہاتھوں سے معذور ہوتے ہیں، مگر وہ کسی کی ہمدردی کے ہرگز محتاج نہیں ہوتے، بل کہ وہ پسند ہی نہیں کرتے کہ کوئی ان پر ترس کھائے۔ نمرہ بھی ایسا ہی چاہتی تھی۔ وہ ایک باصلاحیت اور سمجھ دار بچی تھی۔

ذکیہ خاتون کے اوپر تلے سات بچے اور سسرال کی ڈھیروں ذمے داریاں، ان سب میں نمرہ سب سے زیادہ توجہ اور محبت کی مستحق

ماں کی نظریں اور توجہ بٹی تو نمرہ تنہائی پسند ہوگئی۔ سید صاحب، نمرہ کا بھرپور علاج کروانے بعد اب اکتا سے گئے تھے۔ ان کی اکتاہٹ جھنجھلاہٹ میں بدلتی چلی گئی، پھر تو چھوٹوں کو ایسی شہ ملی کہ سگے بہن بھائی ماسوائے اظہار ہمدردی کے کچھ نہ کرتے۔ خاندان والے بھی منہ پر نمرہ پر ترس کھاتے اور پیٹھ پیچھے اس کی معذوری کا مذاق اُڑاتے۔

......☆......

جب سب نے اسے تنہا چھوڑ دیا تو اُس نے اللہ میاں کو اپنا دوست بنالیا تھا۔ راتوں کو وہ سرگوشیوں میں اپنے پکے دوست سے خوب باتیں کیا کرتی۔ اپنی ہر تکلیف، دکھ اور درد اُسے بتاتی۔ چپکے چپکے روتی، اسے پکارتی۔ کہتی کہ وہ اسے ضائع ہونے سے بچالے۔

’’سب کہتے ہیں کہ میں بے کار اور عیب دار ہوں۔ اے اللہ! تُو تو میرا خالق ہے۔ مجھ پر رحم فرما۔‘‘

اس کے خواب دیکھنے کا سلسلہ رکا نہیں تھا۔ وہ روزانہ بہت سارے خواب دیکھتی۔ ایک بڑا سا ہال جہاں اس کے رشتے دار، عزیز و اقارب اور ہم جماعت بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان سب کے سامنے وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ سب خوشی سے اسے مبارک باد دے رہے ہیں، ذکیہ خاتون اس کی بلائیں لے رہی ہیں۔

اس کی کزنز اُسے رشک سے تکتے ہوئے کہہ رہی ہیں: ’’واہ! نصیب ہو تو اس جیسا۔‘‘

آہ! بس اتنا سا خواب ہے۔

خواب دیکھنا تو بہت اچھی بات ہے بشرطے کہ ان خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کی بھرپور کوشش بھی کی جائے۔

......☆......

’’نمرہ بیٹا! ایک کام کیا کرو، جب بھی تم کوئی خواب دیکھو تو اُسے لکھ لیا کرو، پھر دیکھنا کمال!‘‘

اسے یہ گُر ذکیہ خاتون نے بتایا تھا۔ جلد ہی نمرہ نے یہ کام کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ جو خواب دیکھتی، اسے کاپی پر لکھ ڈالتی۔ دن بھر وہ لفظوں سے کھیلتی رہتی۔ ایک دن سید صاحب نمرہ کے لیے کتابیں خرید لائے۔ رنگ برنگے مناظر سے مزین، خوب صورت جملوں سے سجی، ہمت بڑھاتی کہانیوں کی ڈھیر ساری کتابیں۔ وہ شوق سے پڑھنے لگی۔ بہترین مطالعے نے اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھار دیا۔ اس نے اپنے احساسات، مشاہدات اور درد بھرے تجربات کو بھی قلم بند کرنا شروع کر دیا۔

وہ خوب دل لگا پڑھنے لگی۔ اس نے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا۔ اب وہ کالج کی طالبہ تھی۔

نمرہ آہستہ آہستہ اپنے قدموں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو رہی تھی۔ ذکیہ خاتون کو جب بھی فرصت کے لمحات میسر آتے وہ نمرہ کی بہترین راہ نمائی کرتیں، اسے حوصلہ دیتیں اور اُس کی ہمت بڑھاتیں۔

......☆......

ایک ایک کر کے اس کے سارے خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ عزم و ہمت سے وہ اپنے راستے میں حائل ہر رکاوٹ کو ہٹاتی آگے بڑھتی چلی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نمرہ کا شمار ملک کی بہترین نام وَر لکھاریات میں ہونے لگا۔ اب وہ جاگتی آنکھوں سے اپنے سارے خواب سچ ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ بالآخر اُس نے میدان مار ہی لیا تھا، کامیابی اس کے قدم چوم رہی تھی۔‘‘

اس کا نام ’’اس سال کی بہترین لکھاریہ‘‘ کے لیے نام زَد کیا گیا تھا۔

’’اب میں دعوت دیتی ہوں ملک کی ابھرتی ہوئی معروف شاعرہ اور لکھاریہ نمرہ سید صاحبہ کو کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا ایوارڈ وصول کریں۔‘‘

بڑا سا ہال مبارک بادوں اور سبحان اللہ، ماشاء اللہ جیسے کلمات سے گونج اٹھا۔

نمرہ نے بڑے اعتماد سے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ وہ تھوڑا سا ڈگمگائی، پھر آنکھیں بند کر کے پوری شدت سے اپنے دوست اللہ میاں کو پکارا اور مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے اسٹیج کی جانب چل دی۔ تمام خواتین گردن موڑے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ ایک پیدائشی معذور لڑکی نے بڑی ہمت اور حوصلے سے لوگوں کے طعنوں کو برداشت کیا تھا اور آج وہ اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دھارتے دیکھ کر سجدۂ شکر بجا لائی تھی۔

تقریب ختم ہونے کے بعد جب ابو اُسے لینے کے لیے آئے تو سب بہن بھائیوں کے سامنے بے اختیار یہ کہتے ہوئے گلے سے لگا لیا:

’’شاباش! میری بہادر اور بلند حوصلہ بیٹی! مجھے تم پر بہت فخر ہے۔‘‘ ؎

اے جذبۂ دل! گر میں چاہو، ہر چیز مقابل آجائے
منزل کے لیے دوگام چلوں اور سامنے منزل آجائے

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی
کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق وشوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف گیارہ سو (=/1,100) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ذوق وشوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔

خط و کتاب کا پتا:
ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی
پی۔او۔بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
ذوق شوق/Zouq shouq
zouqshouq@hotmail.com

(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔)

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کرواسکتے ہیں:

1 منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984 گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

2 بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

3 دستی۔
دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

4 جاز کیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۷۸

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

کوپن برائے
ذوق معلومات ۷۷

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

سوال آدھا جواب آدھا ۳۳

نام: ______ ولدیت: ______

مکمل پتا: ______

فون نمبر: ______

ہدایات: جوابات ۳۰، جون ۲۰۲۲ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں ...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

SINCE 1999

KIDS COLLECTION SHOES

New Eid Arrival

رسالہ ساتھ لانے پر اور آن لائن کے لئے اشتہار کی تصویر واٹس اپ کرنے

پر 10% ڈسکاؤنٹ دیا جائیگا۔

Shopping Online At

Whatsapp: 0316-2709797
Facebook: /kidscollectionshoes
Website : www.kidskcs.com

Branch 1: Shop # 09, Star Centre, Near Chawala Centre,
Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34315359

Branch 2: Shop # 01, Saima Paari Glorious Opp.
Sindh Lab Main Tariq Road, Karachi.
Tel: 021-34382622

Registered NO. M. C. 1241 ذوق شوق

سلسلة

تحفة الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہِ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk